صلى الله عليك يا فاطمةُ الزّهرَاءُ يا بنتَ محمدٍ يا قرّةَ عينِ الرّسول

ياسيدتنا و مولاتنا إنا توَجهنا وَ استشفعنا وَ توَسلنا بكِ إلى الله

جمادی الاول–جمادی الثانی

بصائر

سرپرست

حجۃ الاسلام ڈاکٹر رضا شاکری

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر ذیشان حیدر عارفی

مدیر

سید تقی عباس رضوی کلکتوی

مجلس مشاورت

حجۃ الاسلام.....سید فیاض حسین رضوی

حجۃ الاسلام.....سید منظور عالم جعفری

حجۃ الاسلام.....سید سرور عباس نقوی

حجۃ الاسلام.....علی عباس حمیدی

حجۃ الاسلام.....اطہر حسین شاہ

ادارہ کا مقالہ نگاروں کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

برائے رابطہ:

۱۸/تلک مارگ، ایران کلچر ہاؤس-نئی دہلی

miudafter@gmail.com

فہرست مطالب

اداریہ.....ادارہ.....۴

حمد باریٔ تعالی.....ظہور مہدی مولائی.....۵

اسلامی مناسبتیں.....ادارہ.....۶

اسلامی طرز حیات.....ڈاکٹر رضا شاکری.....۷

سیرتِ اُمُّ الائمہ اور عصرِ حاضر کی خواتین.....سید تقی عباس رضوی کلکتوی.....۱۴

حضرت فاطمہ علیہا السلام کا طرز حیات.....فیروز علی بناری.....۲۰

اطہر مزاج، شانِ رسالت ہیں فاطمہؑ.....سید کامل عباس جعفری.....۳۰

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام شیعہ ثقافت میں.....علی عباس حمیدی.....۳۱

فریقین کی نگاہوں میں حضرت زہرا سلام اللہ کی شخصیت کا عبادی پہلو.....ڈاکٹر شازیہ مہدی.....۳۶

امام ہادی علیہ السلام کی سیرت میں انسان کامل.....سید مجتبی علی کلکتوی.....۴۱

صحیفہ سجادیہ اور اولاد کی تعلیم و تربیت.....سید منظور عالم جعفری.....۴۶

خلافت اہل بیتؑ نہج البلاغہ کی نظر میں.....سید حمید زیدی الحسن.....۵۵

امانت الہی اور انسان.....محمد تقی رضا.....۵۹

جناب ابوذر غفاریؒ کے مختصر حالات زندگی.....ڈاکٹر سید سرور عباس نقوی.....۶۳

شیعہ اور سنی مفسرین کے نزدیک آیہ شراء کی تفسیری آراء.....سید پیغمبر عباس نوگانوی.....۷۰

سورہ عبس و تولی کے حقیقی مصداق کا فیصلہ، آیات قرآنی کے تناظر میں.....ڈاکٹر ذیشان حیدر.....۷۳

مذاہب خمسہ میں نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنے کا حکم اور اس کے دلائل.....ظہور مہدی مولائی.....۸۷

امام خمینیؒ کے عرفانی افکار.....سید اشہد نقوی.....۹۵

دینی تعلیم کی پیشرفت کی تجاویز.....سید مختار حسین.....۹۹

اداریہ

آج ظلم وبربریت اپنے عروج پر ہے مظلوموں بے سہاروں کی آہ وزاری دنیا کے گوشہ گوشہ سے سنائی دے رہی ہے مگر ان کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں بلکہ اس کو اپنی جان کے لئے خطرہ محسوس کرتے ہیں، بعض افراد تو اتنا بے حس ہو گئے ہیں کہ ان کی فریاد کو دوسروں تک پہنچانے سے بھی کترا رہے ہیں جبکہ وہ اس بات کو بھول بیٹھے ہیں کہ بہت ممکن ہے ایک دن یہ لوگ خود ظلم واستبداد کا نشانہ بنیں اور اس وقت ان کی بھی کوئی مدد نہ کرے، ان کی آواز کو دوسروں تک نہ پہنچائے تو اس وقت ان کو بھی کسی سے گلا وشکوہ کرنے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ یہ کما تدین تدان (جیسا کروگے ویسا بھروگے) کا نتیجہ ہوگا۔

اگر ہم انسان ہیں اور خدائے واحد اور اس کے آخری نبی کا کلمہ پڑھتے ہیں اور اپنے کو ان کا پیروکار سمجھتے ہیں تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ظلم کو خوب پہچانیں اور اس سے بچیں کیوں کہ ہمارے خدا اور اس کے پیارے نبی ﷺ کو کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم پسند نہیں ہے حتی وہ اپنے نہ ماننے والوں پر بھی ظلم کو پسند نہیں کرتے جیسا کہ خود خداوند متعال کا فرمان ہے: "ان اللہ لیس بظلام للعبید" خداوند متعال اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا چاہیے وہ اس کو مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں تو خداوند متعال کے ماننے والوں کو بھی چاہیے کہ دنیا کے چاہے جس کونے میں ظلم ہو اس کے خلاف آواز احتجاج بلند کریں مگر آج ہم نہ صرف غیر مسلم بھائیوں پر ہونے والے ظلم پر خاموش رہتے ہیں بلکہ اپنے بھائیوں کے اجڑتے گھر بکھرتے لاشے تڑپتے بچوں، روتی بلکتی ماوں وبہنوں کو دیکھ کر بھی آنکھ موند لیتے ہیں اگر ہم حقیقت کی نگاہوں سے دیکھیں تو حضور ﷺ کی "اف لکم" کی آواز کو سنیں گے کہ تم کیسے میرے عاشق اور پیروکار ہو جو دنیا میں ظلم کے خلاف آواز بلند نہیں کر سکتے تم نے صرف روزہ، نماز اور زکات کی ادائیگی اور تلاوت قرآن کو اپنے ایمان کی تکمیل سمجھ لیا ہے مگر یاد رکھو مظلوم کی حمایت نہ کرنے والے خدا کی نظر میں مسلمان نہیں ہیں میرا بھی ان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ تم ان لوگوں کا مصداق ہو جو خدا کی ان باتوں کو جان و دل سے مانتے ہو جو تمہارے مفاد میں ہوتی ہے اور اس سے آنکھ موند لیتے ہو جس کو عملی جامہ پہنانے میں جان، مال اور آبرو کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ ہم آخر میں دعا کرتے ہیں کہ خداوند متعال ہم کو ان افراد میں قرار نہ دے بلکہ پوری دنیا کے مظلوموں کا حامی قرار دے نمایندگی المصطفیٰ اپنے پیارے نبیؐ کی پیروی میں پوری دنیا میں صلح وامن اور علم کے فروغ کی متمنی ہے خداوند عالم سے دعا ہے کہ وہ اس کے کارکنان کو اپنے حفظ امان رکھتے ہوئے ہمیشہ ان کو اپنے سایہ رحمت میں قرار دے۔

حمدِ باریٔ تعالیٰ

یہ مرے رب کی مہربانی ہے
حمد اس کی مری زبانی ہے

مدح کی سب سے ارفع و اعلیٰ
صنف بس اس کی حمد خوانی ہے

سب سے میٹھا جناں کی نہروں میں
نہر حمد و ثنا کا پانی ہے

فوت و زائل کبھی نہ ہو گی جو
وہ فقط اس کی حکمرانی ہے

جو کرے اس کا ذکر و شکر مدام
شخصیت اس کی آسمانی ہے

ہر نبی نے یہی دیا ہے پیام
اس کی طاعت ہی کامرانی ہے

اس کا انکار، موت ہے بالحق
اس پہ ایمان، زندگانی ہے

وہ فقط ہے خدائے پاک کا عشق
جس میں تسکین و شادمانی ہے

ہم کو شیعہ بنایا خالق نے
یہ بڑی اس کی مہربانی ہے

تا کہ غفران رب ہو مجھ کو نصیب
آنسوؤں کی ندی بہانی ہے

لے کے جانا چراغ حمد ظہورؔ
قبر گر اپنی جگمگانی ہے

اسلامی مناسبتیں

جُمادی الاوّل یا جَمادی الاولی، ہجری قمری کیلنڈر کا پانچواں مہینہ ہے۔ جمادی جمادا (جَمَدَ) کے مادے سے انجماد اور یخ بندی کے معنی میں ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے کی نامگزاری کے وقت سردی کا موسم تھا اور پانی جم جاتا تھا۔

اعمال ماہ جمادی الاول

تیرہویں دن کے اعمال

زیارت حضرت فاطمہ زہرا (س)

حضرت فاطمہ (س) کی شہادت کے سلسلے میں عزاداری

اہم واقعات

ولادت حضرت زینب کبری (۵ جمادی الاول سنہ ۵ ہجری)

شہادت حضرت زہرا (س) (۱۳ جمادی الاول سنہ ۱۱ ہجری)

جُمادی الآخر یا جمادی الثانی یا جمادی الثانیہ یا جمادی الآخرۃ، ہجری قمری کیلنڈر کا چھٹا مہینہ ہے۔ جمادی جمادا (جَمَدَ) کے مادے سے انجماد اور یخ بندی کے معنی میں ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے کی نام گزاری کے وقت سردی کا موسم تھا اور پانی جم جاتا تھا۔

اعمال ماہ جُمادی الآخر

اعمال مشترک

دو رکعتی دو نماز پڑھی جائے پہلی نماز کے پہلی رکعت میں حمد کے بعد آیۃ الکرسی ایک دفعہ اور سورہ قدر ۲۵ مرتبہ جبکہ دوسری رکعت میں سورہ حمد کے بعد سورہ تکاثر ایک مرتبہ اور سورہ اخلاص ۲۵ مرتبہ۔

دوسری نماز کی پہلی رکعت میں حمد کے بعد سورہ کافرون ایک دفعہ اور سورہ فلق ۲۵ دفعہ جبکہ دوسری رکعت میں حمد کے بعد سورہ نصر ایک دفعہ اور سورہ ناس ۲۵ دفعہ۔ نماز کے بعد ۷۰ مرتبہ [[تسبیحات اربعہ]، ۷۰ مرتبہ صلوات اور تین دفعہ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنینَ وَالْمُؤْمِناتِ پھر سجدے میں جاکر ۳ مرتبہ کہے: یا حیُ یا قَیومُ یا ذَاالْجَلالِ وَالْإِکرامِ یا رَحْمنَ الدُّنْیا وَالْآخِرَةِ وَرَحیمَهُما یا اَرْحَمَ الرّاحِمینَ

تیسرے دن

سوگواری حضرت زہراؑ

حضرت زہرا پر ظلم ڈھانے والوں اور آپ کا حق چھیننے والوں سے برائت۔

حضرت زہراء (س) کی زیارت اس دعا کے ساتھ پڑھنا: اَلسَّلامُ عَلَیكِ یاسَیدَةَ نِساءِ الْعالَمینَ اَلسَّلامُ عَلَیكِ یا والِدَةَ الْحُجَجِ عَلَی النّاسِ اَجْمَعینَ اَلسَّلامُ عَلَیكِ اَیتُهَا الْمَظْلُومَةُ الْمَمْنُوعَةُ حَقُّها. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلی اَمَتِكَ وَابْنَةِ نَبِیكَ وَزَوْجَةِ وَصِی نَبِیكَ صَلوةً تُزْلِفُها فَوْقَ زُلْفی عِبادِكَ الْمُکرَمینَ مِنْ اَهْلِ السَّمواتِ وَاَهْلِ الْأَرَضینَ!

بیسویں دن

روزہ رکھنا

زیارت حضرت زہراءؑ کا پڑھنا

صدقات اور خیرات دینا

اس مہینے کے اہم واقعات

ماہ جمادی الثانی کے واقعات

شہادت حضرت زہراؑ (۳ جمادی الثانی سنہ ۱۱ ہجری)

رحلت حضرت ام البنین (۱۳ جمادی الثانی سنہ ۶۴ ہجری)

ولادت حضرت فاطمہ زہراؑ (۲۰ جمادی الثانی ۵ بعثت)

اسلامی طرز حیات

ڈاکٹر رضا شاکری

"طرز زندگی" کے مفہوم کو مختصراً بیان کرنے اور مغربی دانشمندوں کی نگاہ میں اس سے متعلقہ تعریفیں،اور اس کی تاریخ اور افعال پیش کرنے کے بعد،اب ہم اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے "طرز حیات" کے نظریہ کے منتخب اصولوں کو ذیل میں بیان کریں گے۔

ا۔دین فہمی میں جامعیت کی ضرورت

دین اسلام اپنی جہان بینی کی بنیادوں کے مطابق،انسان کے لئے مکمل طور پر اوامر و نواہی کا ایک منظّم مجموعہ فراہم کرتا ہے،تاکہ انسان ان حکمت عملیوں کے مطابق ماورائی اور ارتقائی راستے پر چل کر اس نظریہ کا مطلوبہ مقصد حاصل کر سکے،شواہد،عرفان اور قرآن پر مبنی ایک جامع دینی نقطہ نظر ہی واحد راستہ ہے جو دینی مآخذ کی نسبتاً مربوط اور مکمل تفہیم فراہم کر سکتا ہے اور اس تفہیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نسبتاً اطمینان بخش ہو سکتا ہے۔

قرآن کریم سورۂ مبارکۂ نحل کی آیت نمبر ۹۷ میں ارشاد ہوتا ہے: «مَن عَمِلَ صالِحاً مِن ذَکَرٍ اَو اُنثی وَهُوَ مُؤمِنٌ فَلَنُحیِیَنَّهُ حیاةً طَیِّبَةً وَلَنَجزِیَنَّهُم اَجرَهُم بِاَحسَنِ ما کانوا یَعمَلُون» جو شخص بھی نیک عمل کرے وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو ہم اسے پاکیزہ حیات عطا کریں گے اور انہیں ان اعمال سے بہتر جزا دیں گے جو وہ زندگی میں انجام دے رہے تھے۔[1]

اس آیہ کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ "قرآنی طرز حیات کا بنیادی معیار اور کسوٹی ایمان اور اعمال صالحہ ہیں"،حیات طیبہ اور لقای الٰہی دونوں ایمان اور عمل صالح سے حاصل ہوتے ہیں،زندگی تمام مخلوقات میں احساس اور حرکت کا سبب ہے،حیات طیبہ،حق تعالیٰ کے شہود کا سبب اور تجلیات الٰہی کی سیر اور انسان کے لئے ایک نیا روشن طرز حیات ہے اور بلاشبہ یہ زندگی،انسانوں اور حیوانات کے درمیان مشترک حیوانی زندگی سے افضل و برتر ہے،قرآن نے اس طرز حیات کے لئے جو آثار و نتائج بیان کئے

---

[1]. سورۂ مبارکۂ نحل آیہ ۹۷

ہیں وہ عام مادی زندگی کے آثار و نتائج سے بہت بلند و بالا ہیں۔ اس حیات طیبہ کا مالک روحانی نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ وہ حقائق کو دیکھتا ہے اور اپنے اندر عزت و وقار محسوس کرتا ہے، کیونکہ وہ عظمت و بلندی کے سرچشمے سے متصل ہے۔[1]

نیز قرآن کریم سورہ عصر میں اسی اہم حقیقت یعنی ایمان اور عمل صالح کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمارہا ہے کہ انسان خسارے میں ہے، سوائے اہل ایمان کے جو ایمانی فکر و عقیدہ رکھتے ہیں اور عمل صالح انجام دیتے ہیں۔ اور اپنی کامیاب زندگی اور دینی طرز حیات کو اعتقاد اور عمل صالح کے دو مضبوط ستونوں پر تعمیر کرتے ہیں۔

در حقیقت اسلامی طرز حیات ایک ایسا "طرز حیات" ہے جو ہر طرح سے پاک و پاکیزہ ہے اور ہر قسم کی آلودگیوں، ظلم و خیانت، دشمنی، قید و بند اور پریشانیوں اور نگرانیوں اور انسانی زندگی میں ہر قسم کی تلخیوں سے پاک و منزہ ہے۔

رہبر معظم انقلاب اسلامی نے انقلاب کے دوسرے مرحلے کے بیانیہ میں انقلاب اسلامی کے چالیس سالہ تجربے کا جائزہ لیتے ہوئے اعلان فرمایا:

انقلاب، خود ارتقائی، معاشرتی کاری اور تہذیب سازی کے دوسرے مرحلے میں داخل ہو گیا ہے۔ "دوسرا قدم" جو انقلابی نظام کے نظریہ، کے تناظر میں اٹھایا جانا چاہئے اور یہ قدم اسلامی ایران کے نوجوانوں کی محنتوں و کوششوں کے ذریعے ایک نئی اسلامی تہذیب کی داغ بیل ڈالنے اور آفتاب ولایت عظمیٰ (ارواحنافداہ) کے طلوع کی تیاری کے لئے ہونا چاہئے۔

انقلاب کے دوسرے مرحلے کے بیانیہ میں آیت اللہ امام خامنہ ای (مدظلہ) کی ساتویں سفارش کے طور پر "طرز حیات" کا منصوبہ دیگر سفارشات سے نمایاں طور پر مختلف نظر آتا ہے۔ وہ یہ کہ پچھلے پیراگرافوں کی طرح تفصیلی وضاحت نہیں کی گئی ہے بلکہ صرف مغربی طرز حیات کے فروغ سے پیدا ہونے والے خطرات اور نقصانات اور اس کے مقابلہ میں ہوشمندانہ جہادی محاذ آرائی کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے.

رہبر معظم انقلاب اسلامی نے اس نصیحت کی وضاحت کو کسی اور موقع کے لئے موکول کر دیا ہے کیونکہ "اس بارے میں بیان کرنے کو بہت کچھ ہے" اس لحاظ سے ایسا لگتا ہے کہ اس آسیب شناسی کے بارے میں گفتگو اور تبادل نظر کو ترجیح دی جائے اور اس سے متعلق مفید گفتگو کا آغاز رہبر انقلاب اسلامی کے افکار و بیانات کی روشنی میں ایرانی اسلامی طرز حیات سے مربوط موضوعات کا جائزہ لینا بہتر ہے۔

---

[1] ۔ جوادی آملی، مفاتیح الحیات

۲۔ عقیدے اور عمل کا باہمی اثر و رسوخ

رہبر معظم آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای (زید عزہ) کے فکری نظام میں تعلیم کے اصولوں میں سے ایک اصول اعمال، عقائد اور رجحانات کا باہمی اثر و رسوخ ہے۔ اس بنا پر انسان کے تعلقات اور تاثرات اس کے اچھے اور برے کردار سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر کام برا ہے تو ہمارے دل پر اثر انداز ہوتا ہے، ہمارے اخلاق کو متاثر کرتا ہے، کبھی کبھی یہ ہمارے تصورات اور خیالات پر اثر ڈالتا ہے۔ کبھی ہمارے اندر وابستگی پیدا ہو جاتی ہے وہ وابستگی بھی ہماری ذہنیت کو متاثر کرتی ہے۔[1] اسی طرح سے نیک اعمال پر بھی یہی اصول جاری ہوتے ہیں۔

جس طرح ایمان "انسان کے لئے مشعل راہ ہے اور نیک عمل کی طرف ہدایت کرتا ہے... اُسی طرح عمل صالح بھی انسان کے ایمان کی نشاندہی کرتا ہے، یعنی آپس میں ایک باہمی اثر و رسوخ اور تأثیر و تأثّر پایا جاتا ہے۔ اثر ڈالنے اور اثر قبول کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے" یہ اصول ہمیں ایک اہم حکمت عملی تک پہنچاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ رجحانات اور افکار کی اصلاح اور تبدیلی ان ظاہری اعمال و رفتار کے ذریعے کی جاسکتی ہے۔

اس لئے معاشرے کے اعمال اور طرز حیات کے بارے میں محتاط رہنا چاہئے۔ عقیدہ پر عمل کا اثر یقینی اور ناگزیر ہے، "برے اعمال عقائد کی تبدیلی کا سبب بنتے ہیں"۔

۳۔ عمل میں تداوم اور تسلسل کی ضرورت

بیشک معظّم لہ کے فکری نظام میں جو چیز انسان کے جوہر وجود کو "عظیم شکلوں" میں تبدیل کر سکتی ہے وہ اُس کے عمل کی مداومت ہے۔

اور عمل کا یہی تسلسل احساس اور آگہی کو ایمان میں بدل سکتا ہے، قرآن کی منطق میں بھی، ایک برا عمل ایک عقیدے کو وجود میں لاسکتا ہے، اور اس پر اثر انداز ہو سکتا ہے، اور یہاں تک کہ اسے تبدیل بھی کر سکتا ہے: «ثُمَّ كانَ عاقِبَةَ الَّذِينَ أَساؤُا السُّواى أَنْ كَذَّبُوا بِآياتِ اللَّهِ وَ كانُوا بِها يَسْتَهْزِؤُن» یہی اصول طرز حیات پر بھی جاری ہوتا ہے۔

---

[1] ۔ رہبر انقلاب: ۳ تیر ماہ ۱۳۸۸

دینی طرز حیات میں عمل کا تسلسل معرفت دینی کے ہمراہ ہے: «مَنْ كانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعاً إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ..»[1] اس آیہ کریمہ میں لفظ "کلمَ طیب" سے مراد صحیح عقیدہ، علامہ طباطبائیؒ نے جملہ "الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ" میں کلمَ "يَرْفَعُهُ" کی ضمیر کا مرجع صحیح عقائد ذکر کیا ہے، اُن کا ماننا ہے کہ جیسے جیسے عمل کی تکرار ہوتی جاتی ہے، عقیدہ مضبوط اور واضح ہوتا جاتا ہے۔ اور اس کی تاثیر میں استحکام پیدا ہوتا ہے، اس بنیاد پر طرز حیات کو رویوں اور عقائد کو بدلنے کی حکمت عملی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

انقلاب کے دوسرے مرحلے کے بیانیہ کی ساتویں سفارش میں مغربی طرز حیات کے فروغ کے خطرے کی نشاندہی کی گئی ہے۔

آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای (زید عزہ) نے پہلے ہی بیان کیا تھا کہ ملک کے اندر کچھ لوگ اسلامی انقلاب کو انحراف کی سمت لے جانے کی غرض سے مغربی اخلاقیات اور طرز حیات کو فروغ دینے کی کوشش کر رہے ہیں[2]۔ مغربی طرز حیات کے مروجین نے اپنا مقصد "ایرانی شخصیت کا ارتقاء" جیسے عنوانات کے ضمن میں بیان کیا ہے، وہ لوگ عالمگیریت سے جڑنے کے بہانے ایک مغربی، امریکی عمل کے طور پر وہ ایران کی حاکمیت میں اصلاح اور انقلاب کا رخ بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

۴۔ عمل اور طرز عمل میں فقہ کی محوریت

طرز حیات کی وضاحت اور مختلف جہتوں میں انسانی ضروریات کو پورا کرنے اور یہاں تک کہ احکام و فرائض کی صورت میں اُن ضروریات کو کیسے پورا کیا جائے، رہبر معظم انقلاب اسلامی، فقہ کو اس مشن کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔

اسلام میں فقہ ایک طرح سے مکلفین کے عمل اور طرز عمل کو مشخص کرتی ہے اور زندگی کی مختلف جہتوں میں طرز عمل کے اوامر و نواہی کو بیان کرتی ہے، فقہ انسان کے خود، خدا، مخلوق اور خانوادے سے متعلق فریضہ کو مشخص کرتی ہے، لہذا اسلامی فقہ ہی اسلامی یا مہدوی طرز حیات کی وضاحت کر سکتی ہے۔

۵۔ جامع فقہی منصوبے کی ضرورت

رہبر معظم انقلاب اسلامی فرماتے ہیں: ایک جامع فقہی منصوبہ، کلی اور زمانے کی ضروریات کے مطابق، حوزے کے مقدس اور رائج حدود کے پاس و لحاظ سے ہموار، جو فقہ میں ایک نئی فکر قائم کرے اور انفرادی مسائل پر منحصر فقہ کو، فقہِ ذاتی، معاشرتی، سیاسی اور حکومتی

---

[1] ۔ سورہ فاطر آیۃ ۱۰

[2] ۔ رہبر معظم انقلاب: ۲۰۰۹/۰۶/۲۴

جیسے موضوعات میں تبدیل کرے، اور یہ قدم بیہودہ گفتگو کرنے والوں کے منہ پر زوردار طمانچہ ہوگا، اور اُن کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ اسلامی فقہ کمزور ہے یا سیاسی، ثقافتی، اقتصادی اور معاشرتی نظام سے خالی ہے۔

اس نقطہ نظر کے برعکس، فقہ کے دائرۂ کار کے تعین میں تفریط کا نظریہ ہے جو بعض نام نہاد جدیدیت گرا مسلمانوں کی نظریہ ہے جو کہتے ہیں: مذہب نے صرف ہدایت سے متعلق عمومی معیارات اور اقدار کو بیان کیا ہے، اور اُن کے نفاذ کی ذمہ داری خود انسان پر رکھی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہیں کہ: دین نے انسانی زندگی کی ترتیب و تعمیر کی راہ میں کوئی مداخلت نہیں کی ہے بلکہ دین صرف انسان کی روحانی اور اخلاقی رہنمائی کا ذمہ دار ہے۔

مذکورہ نظریہ، موجودہ عیسائیت سے متاثر ہے، دین کو انسان اور خالق (عبادات) یا انسان اور خود کے درمیان تعلق (ذاتی اخلاقی مسائل) کے دائرے تک محدود سمجھتا ہے، اور زندگی کے دوسرے معاملات جیسے حکومتی اور قانونی مسائل کو دین کے دائرۂ کار سے خارج سمجھتا ہے، اور اُن مسائل کے لئے ایک عام رواجی پہلو کا قائل ہے، وہ اس لحاظ سے کہ اس نظریہ کے افراد کا ماننا ہے کہ یہ قواعد و ضوابط ہر دور کے مفکرین کی تشخیص اور فیصلے پر چھوڑے دیئے گئے ہیں کہ وہ زمانے کے رسم و رواج اور انسانیت کے مسائل کو دیکھتے ہوئے فیصلہ لیں، اور جو زندگی قرآن و سنت کے احاطہ میں ہے وہ روحانی زندگی ہے (تقرب الٰہی اور گناہوں سے دوری) لیکن انسانوں کی تہذیب، ثقافت، معاش اور روابط، کی ایجاد کو آزاد رکھا گیا ہے، اور اس دنیا میں زندگی کے طریقوں اور مکانیزم کا تعین خود انسان کے سپرد کیا گیا ہے[1]۔

جبکہ اسلامی فقہاء اور علماء کا اس کے خلاف اتفاق ہے، علماء کہتے ہیں کہ دین میں عبادی اور اخلاقی مسائل پر توجہ کے ساتھ ساتھ تمام قانونی اور انسانوں کے باہمی تعلقات سے متعلق احکامات شامل ہیں، نیز حکومتی اور سیاسی امور کے دستورات بھی شامل ہیں اور اس طرح تمام انسانی ضروریات و خواہشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے قانون مرتب کیا گیا ہے، ہر دور کے دانشمندوں کی شناخت اور صوابدہی اور موجودہ رسم و رواج اور اہم انسانی مسائل کا لحاظ صرف احکام کے مسائل کی شناخت میں ہے۔

لہذا، رہبر معظم انقلاب معتقد ہیں کہ؛ شریعت کو تمام تعلقات جیسے: انسان اور خود، خدا، مخلوق اور خاندان کے لئے جو ابگو ہونا چاہئے، انسانی ضروریات کی تمام سطحوں پر راہ و طور و طریقے کی نشاندہی فقہ کی ذمہ داری ہے۔

---

[1] مجلہ فقہ، سال اول، شمارہ ۱، ص ۲۶ و ۲۷۔

فقہ اوامر و نواہی کی نشاندہی،ہموار اور ناہموار راستے کی شناخت اور مختلف،ذاتی، معاشرتی، عقیدتی، اقتصادی،سیاسی، خاندانی، وغیرہ، مقاصد کے حصول کے راستے کا تعین کرتی ہے، لہٰذا فقہ کو ذاتی اور عقیدتی حدوں تک محدود کرنا فضول اور بے مقصد کام ہے جو اخلاقیات،عرفان اور تعلیم کی راہوں کو بند کرتا ہے، لہٰذا عملی طور پر،فقہ کے بغیر ،نہ تو عرفانی راہ کو طے کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے شریک حیات اور بچوں کے ساتھ اخلاقی زندگی بسر کر سکتے ہیں،نہ ہی معاشرے کے ساتھ مناسب تعامل،اور یہاں تک کہ رزق و روزی اور معیشت کے حصول میں،حلال و حرام کے دائرہ کار میں،فقہ کو خود اور ہر طرح کے نمونے اور آئیڈیل پر مقدم رکھنا چاہئے، کیوں کہ تنہافقہ کے سائے میں رشد پانے والے اعمال و کردار ہی انسان کو منزل مقصود تک پہنچا سکتے ہیں۔

۶۔ فقہاء کی وسعت نظر کی ضرورت

البتہ یہ کہنا ضروری ہوگا کہ رہبر معظم انقلاب اس سلسلے میں فقہ اور فقہا پر تنقیدی نقطہ نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: کتاب الصلوٰۃ میں اس قدر جدید، قطعی اور عمیق گفتگو اور دلائل پر دلائل، دوسری دلیل پر تیسری دلیل قائم کی گئی ہے کہ انسان حیرت زدہ ہو جائے۔ آپ غور کریں کہ ایک مشکوک لباس کے بارے میں فقہاء چھ چھ مہینے تک بحث کرتے ہیں،... وہ جس بحث میں بھی داخل ہوئے ہیں اسی طرح سے تحقیق اور غور و خوض کے ساتھ آگے قدم بڑھایا ہے۔ تو کیوں نہ ہم اسلام کے معاشی زمروں میں بھی اسی طرح سے دقت کے ساتھ ورود پیدا کریں اور دنیا کے سامنے ایک مضبوط اور مرتب فقہ پیش کریں؟۔[1]

معظم لہ اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: فقہی ابواب کا ارتقاء ایک منظم منصوبہ بندی کے ساتھ نہیں تھا۔ فقہاء نے اپنے ذاتی ذوق کے مطابق فقہ کے مختلف ابواب میں تصنیف، تحقیق اور تدریس کو انجام دیا اور پہلے سے اُن کا کوئی طے شدہ پروگرام نہیں تھا۔ اس صورت حال کا نتیجہ فقہ کا ارتقاء یا فقہ کے بعض حصوں میں افراط و تفریط تھا، جس کی وجہ سے بے حساب فقہی کتابیں اور مطالعات رونما ہوئے۔ اور وہ اس شکل میں کہ اُن تحریروں اور تحقیقات کا ایک بڑا حصہ مخطوطات کی شکل میں ہی باقی رہ گیا اور اسکی نشر و اشاعت تک کی فرصت فراہم نہیں ہو سکی، یا پھر چند سنگی نسخوں میں تبدیل ہو کر لائبریریوں کے ایک گوشے میں علمی دفینہ بن کر رہ گئے۔

دوسری طرف فقہی ابواب کا ایک دوسرا حصہ کمزور رہ گیا اس پر کوئی عمیق اور ضروری کام نہیں ہوا۔ اِن ابواب میں متأخر اور متکامل فقہ کا بہت زیادہ دخل نہیں تھا۔ آج کا فقیہ جب ان ابواب کی طرف مراجعہ کرتا ہے تو وہ فقہ کے شروعاتی یا درمیانی دور کی کتابوں

[1] ۔ علماء اور طلاب کے درمیان رہبر معظم انقلاب کی تقاریر: ۱۱/۱۲/۱۹۸۴، ۱۱/۱۲/۱۹۸۴، ۱۲/۰۶/۲۰، ۱۹۸۹/۱۲/۱۹۸۹، ۲۶/۱۲/۲۹، ۱۹۸۹/۰۵/۱۹۹۴

کی طرف اُس کا ذہن جاتا ہے،اور اُسے مواد کی ناپختگی،اور مطلب کے پوری طرح سے اقناع و اشباع ہونے کا احساس دلاتا ہے،اور اُسے اس حقیقت کی طرف لے جاتا ہے کہ فقہ کو اِن ابواب میں مناسب اور ضروری ترقی حاصل نہیں ہوئی۔

۷۔فقہ میں نظام سازی کی ضرورت

راہ علاج یہ ہے کہ فقہی کوششوں کے دائرہ کار کو مرتب اور منسجم پروگراموں کے ذریعے وسعت دی جائے،اس میں مختلف فقہی ابواب شامل ہوں، تحقیق کی قدرت ایک یا چند مخصوص ابواب تک محدود نہیں رہنی چاہئے۔ موجودہ فقہ کی بنیاد دیندار شخص کو مد نظر رکھتے ہوئے رکھی گئی ہے نہ کہ اسلامی معاشرے کو۔

یہ انفرادیت پسندانہ نظریہ باعث ہوا کہ: اولاً: ایک مسلمان کے انفرادی مسائل پر زیادہ مورد توجہ قرار پائیں اور مسلمانوں کے معاشرتی نظام سے متعلق امور نظر انداز ہوجائیں،دوماً: یہ کہ انفرادی احکام میں،باہمی تعلقات اور دوسروں کی زندگی پر اس کے اثرات پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی ہے۔

شیعہ فقہ یا تو ہمیشہ اقتدار سے الگ تھی یا پھر حکمرانوں کو اس سے نفرت تھی،اس کا حکومت سے تعلق نہیں تھا۔ حکومتوں نے بھی شیعہ فقہ کے ذریعہ مسائل کے حل تلاش نہیں کئے اور نہ ہی اُسکی طرف مراجعہ کیا۔ صفوی اور قاجاری حکومتوں کے دور کے علاوہ شیعہ فقہاء سیاست اور حکومت سے دور ہی رہتے تھے۔

جس کے نتیجے میں انہوں نے ایک مذہبی نظام کی تعمیر کا فرض محسوس نہیں کیا اور ایک اسلامی معاشرے کی تعمیر اور اس کے لئے مذہبی نظریات کی بنیاد رکھنے کی ذمہ داری کو پورا نہیں کیا اور اس طرح سے شیعہ فقہ انفرادیت کے حصار میں بند اور محدود ہوکر رہ گئی،صدیوں سے شیعہ فقہ ایک حکومت چلانے سے ناامید تھی۔

فقہ اور اس کے دائرۂ کار کے بارے میں اِن گراں قدر بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ فقہ جیسا کہ امام خمینیؒ نے بھی فرمایا تھا:"حیات اور طرز حیات کا نظریہ گہوارہ سے قبر تک جاری ہے"اور یہ نظریہ تمام انسانی ضروریات،اعمال اور طرز عمل کے لئے حکم اور فرض کی وضاحت کرتا ہے،اور دین اسلام ان اس گرانقدر سرمایہ پر مبنی ایک مذہبی اور فقہی طرز حیات پیش کرتا ہے جو کہ سست،اور بلاشبہ مہدوی طرز حیات،جیسا کہ ہم بیان کریں گے،اس وقت کی مخصوص صورت حال کے مطابق اسلامی اور مذہبی طرز حیات کی ایک مکمل شکل اور تجربہ کرے گا۔

سیرتِ اُمُّ الائمہ اور عصرِ حاضر کی خواتین

سید تقی عباس رضوی کلکتوی

شہزادیٔ کونین، خاتونِ جنت، صدیقہ طاہرہ، شریک کارِ رسالتؐ، پاسبانِ دین و شریعت، مرکزِ عفت و طہارت، مخزنِ علم و حکمت مصدرِ عصمت و امامت، تاج دارِ آیۂ مودت و محبت، باعثِ تخلیقِ کائنات، فخرِ موجودات، ہمسر مولائے کائناتؑ، مادرِ حسنین علیہما السلام حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جیسی عظیم ہستی کے اوصاف و کمالات کی تعریف و توصیف اور مدح و ثنا؛ نظم و نثر کے پیرائے میں احاطہ کرنا مشکل ہی نہیں بہت مشکل ہے![1]

کیا پیشِ خدا صاحبِ توقیر ہے زہراؑ　　خاتونِ جناں مالکِ تطہیر ہے زہراؑ

ام الحسنؑ و مادر شبیرؑ ہے زہراؑ　　سر تا بہ قدم نور کی تصویر ہے زہراؑ

شوہر کو جو پوچھو تو شہنشاہِ عرب ہے

بیٹی ہے نبیؐ کہ یہ حسب ہے یہ نسب ہے

سیدۃ النساالعالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی عظمت و فضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ ائمہ اطہارؑ علم و حکمت الہی کے معدن و خزانے دار اور ترجمانِ وحی خدا ہونے کے باوجود آنحضرتؑ کو اپنا بہترین سر مشق اور نمونہ عمل قرار دیتے ہیں۔

جیسا کہ ائمہ معصومینؑ خاص کر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے: **نَحْنُ حُجَجُ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہِ وَ جَدَّتُنا فاطِمَۃُ حُجَّۃُ اللّٰہِ عَلَیْنا**۔ ہم تمام مخلوق الہی پر خدا کی حجت ہیں اور ہماری جدہ فاطمہؑ ہم پر اللہ کی حجت ہیں۔[2]

یقیناً! فاطمہؑ؛ فاطمہؑ ہیں آپؑ کی ذات اقدس مظہرِ صفاتِ الٰہیہ ہیں، آپؑ کی مودت، اسلام کی اساس ہے آپؑ نبوت و رسالت کی عزت و آبرو ہیں آپؑ کے ہی خون سے امامت و ولایت کا چراغ ضوفشاں ہے آپؑ کے ایثار و قربانی ہی سے ولایت کی بقا ہے، آپؑ ہی کے نام گرامی سے دنیا و آخرت میں ہماری عزت و آبرو ہے، آپؑ بابِ رحمت الہی اور شفیعۂ روز جزا ہیں۔

آپؑ نے اپنی مختصر حیات میں جو عظیم کارنامے انجام دیئے وہ ہمیشہ یاد کئے جانے والے کارناموں میں درج رہے گا آپؑ کی سیرت و کردار کی تصویر کبھی دھندلی نہیں ہوسکتی!

---

[1] . آپؑ کی ولادت باسعادت بعثت کے پانچویں سال میں ۲۰ جمادی الثانی کو مکہ مکرمہ میں اور شہادت مدینہ منورہ میں ۳ جمادی الثانی، سنہ ۱۱ ہجری میں واقع ہوئی، امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں آپ کی شہادت کا سبب قنفذ کی وہ ضربت ہے جو اس نے غلاف شمشیر سے لگائی تھی، جس سے محسن کا حمل سقط ہوا اور اس کے نتیجہ میں پیش آنے والی بیماری سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ [طبری امامی، دلائل الامامۃ، ۱۴۱۳ق، ص ۱۳۴]

[2] ۔ أطیب البیان فی تفسیر القرآن ج ۱۳ ص ۲۲۵

آپ سے بہتر نظر آیا نہ کوئی زمانہ میں

دور حاضر میں مَردوں کو خاص کر کنیزانِ سیدہ کی دعویدار خواتین کو آپؑ کی حیاتِ طیبہ کے ہر پہلو کو اپنے دل و دماغ، اپنے اخلاق و کردار، اپنے رفتار و گفتار اور اپنے روز مرہ زندگی کے تمام مشاغل میں محسوس کرنے اور اسے اپنا دستور حیات بنانے کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ آپؑ کی سیرت طیبہ کا کوئی گوشہ نہیں جو کمالِ انسانیت کا آئینہ دار نہ ہو۔

آپؑ کی بابرکت ذات، ذات خدا اور رسول ﷺ کی صفات کا مظہر اتم ہے آپؑ کی رفتار و گفتار اور آپؑ کا اخلاق و کردار بحیثیت ایک ''عورت'' ایک ''بیٹی'' ایک ''بیوی'' اور ایک ''ماں'' ہر صنف، ہر روپ اور ہر طبقے کی عورتوں کے لئے بہترین مشعل راہ، نمونۂ عمل اور وسیلۂ ہدایت ہے۔

بقول شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ:

مزرع تسلیم را حاصل بتولؑ　　مادراں را اسوۂ کامل بتولؑ

یعنی آپؑ تسلیم و رضا کی کھیتی کا حاصل اور (مسلمان) ماؤں کے لئے مکمل اور اعلیٰ ترین نمونہ ہیں۔ آپؑ نے صنفِ نازک کی جھولی میں شرم و حیا، عفت و پاکدامنی، غیرت و حمیت، تعلیم و تربیت، مہر و محبت، ایثار و مروت، صبر و رضا اور ایثار و فا جیسے عظیم جواہرات بھرے، حق کو باطل سے، سچ کو جھوٹ سے جدا کیا، مظلوم کو ظالم سے نجات دلائی اور جاہل کو علم سے آراستہ کیا آپؑ قاسم العلوم و البرکات ہیں آپؑ کی ذات بابرکت ذاتِ بارگاہِ الٰہی تک رسائی اور قرب خداوندی کا وسیلہ ہے کہ بقول شاعرؔ

شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے　　تیرے پانے سے ہی اس ذات کو پایا ہم نے

یہ کہنا حق بجانب ہے کہ صنفِ نسواں کو اپنی قسمت پر شاکر اور نازاں ہونا چاہئیے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ جیسی مقدس و بابرکت ہستی کا تعلق صنفِ نازک ہی سے ہے جن کی وجہ سے اسلام نے عورت کو ایک نئی زندگی، ایک اعلیٰ و ارفع مقام اور اتنی عزت و عظمت بخشی ہے کہ بقول شاعرؔ

باغوں میں خلد نہروں میں کوثر ہے انتخاب　　قبلوں میں کعبہ مصحفوں میں آخری کتاب

تاروں میں آفتاب مبیں پھولوں میں گلاب　　سب عورتوں میں فاطمہؑ مردوں میں بوتراب

شاہ زنان وقت مسیحا کی ماں ہوئیں

زہراؑ ہر ایک عصر میں شاہ زناں ہوئیں

عصرِ حاضر میں اسلامی اقدار اور سیرتِ فاطمیؑ کے حدود میں رہ کر خواتین خود کو دینی، تعلیمی، سماجی، معاشی اور سیاسی لحاظ سے بااختیار بنا سکتی ہیں۔ آج تعلیمِ نسواں کو زیادہ سے زیادہ عام کرنا چاہیے؛ تاکہ نئی نسل اعلیٰ اخلاق و کردار کی مالک بن کر فاطمی کلچر و ثقافت پر ثابت قدم رہ سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج! عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کی ضرورت جتنی مردوں کو ہے، اس سے کہیں

زیادہ عورتوں کو ہے، عورت کا قلب اگر دینی تعلیمات سے منور ہو، تو اس چراغ سے کئی چراغ روشن ہوسکتے ہیں، وہ دیندار بیوی ثابت ہوسکتی ہے، وہ ہر دل عزیز بہو بن سکتی ہے اور نیک اور شفیق ساس ہوسکتی ہے، وہ اپنے بچوں کی معلم اوّل ہوسکتی ہے، وہ خاندانی نظام کو مربوط رکھ سکتی ہے، معاشی تنگی کو خوش حالی سے بدل کر معاشی نظام مضبوط کر سکتی ہے، وہ شوہر کے مرجھائے اور افسردہ چہرے پر گل افشانی کر سکتی ہے، میخانے کو مسجد اور بت خانے کو عبادت خانہ بنا سکتی ہے، اولاد کو جذبۂ شہادت سے سرشار کر سکتی ہے؛ الغرض دینی تعلیم یافتہ عورت وہ سب کچھ بہت آسانی سے کر سکتی ہے جو اسلام چاہتا ہے، اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوجائے تو منفی نتیجہ کیسا خوف ناک ہوگا، اندازہ کرنا مشکل نہیں اور دینی تعلیم سے بے انتہاء غفلت عورت کو شیطان بنا دیتا ہے بقول علامہ اقبالؔ

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازاں　　کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

بیگانہ رہا دین سے گر مدرسۂ زن

ہے عشق و محبت کیلئے علم و ہنر موت

آج مغربی تہذیب و ثقافت اور کلچر پر گرویدہ خواتین کا حال ناگفتہ بہ ہے تعلیم و ترقی کے نام پر مغرب نے ان کی شاہراہ زندگی کا رخ ہی نہیں بدلا بلکہ ان کی شرم و حیا اور عفت و پاکدامنی پر بھی کاری ضرب لگایا ہے، حقوق نسواں اور آزادی کے نام پر عورت کو بے پردہ کرنا چاہتا ہے اور مسلمان خواتین کی عفت و عصمت کو تار تار کرنا چاہتا ہے۔

عہد حاضر میں آزادئ نسواں کو دیکھتے ہوئے سولہویں اور سترہویں صدی کی تاریخ کے وہ بھدّے الفاظ نگاہوں سے روبرو ہونے لگتے ہیں کہ جب بنت حوا کو صرف ایک سامانِ تفریح سے زیادہ کوئی وقعت نہیں تھی۔ زمانہ کچھ اور دور چلا اور صنعتی انقلاب نے جب کروٹیں لی تو ریحان (یعنی پھول) کہلانے والی اس صنف نازک کو گھر سے نکال کر اسے بھی مشین کا ایک پرزہ بنا دیا گیا اور یہ ایک سامان تفریح سے زیادہ کچھ نہیں رہ گئی کہ بقول شاعرؔ

بنایا ہے مصوّر نے حسیں شکار عورت کو　　الگ پہچان دیتا ہے کہانی کار عورت کو

اگر تاریخ پر ایک اچٹتی نظر ڈالیں تو یہ معلوم ہوجائے گا کہ بنی نوع انسان کی تاریخ میں انسانی معاشرہ کی تعمیر و تشکیل اور اُس کے ارتقاء میں خواتین نے ہمیشہ مثبت کردار ادا کیا ہے۔ لیکن! جب خواتین صنعتی اکائیوں سے جڑنے لگیں تو آزادئ نسواں کی لہر چلی اور دیکھتے دیکھتے مرد اور عورت دونوں کو مساویانہ حقوق اور مراعات دینے کا مطالبہ شروع ہوا۔ مغرب میں عورت اب تمام اخلاقی اور فطری قیود سے آزاد ہونے لگی کیونکہ وہ آزادانہ طور پر اپنی معاشی زندگی کے شب و روز کی کارروائیوں کو طے کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے آزاد ہونے کی فریاد کر رہی تھی اس نالہ و فریاد کے نتیجے میں مغرب نے اسے relationLive in کا

قانونی درجہ دے کر ایسا آزاد کیا کہ وہ اب بازیچۂ اطفال کی مصداق اتم ہو کر رہ گئی ہے جس آزادی کا تماشا آپ اور ہم اپنی روزمرہ زندگی کے ہر ساعات و ایام میں دیکھ اور سن رہے ہیں۔

عورتیں کام پہ نکلی تھیں بدن گھر رکھ کر　　جسم خالی جو نظر آئے تو مرد آ بیٹھے

مغرب کی یہ منحوس تہذیب کے جراثیم مسلم سماج میں بھی اپنے پنجے گاڑنے لگے ہیں۔ مغربی کلچر، بے حیا اور بد چلن خواتین کی نقالی کا جو المیہ ہمارے معاشرہ میں تیزی سے برہنگی اور بے لباسی کی صورت میں جلوہ گر ہو رہا ہے وہ ہمارے سماج میں تمام جرائم کی جڑ ہے۔ ہم اور ہمارا سماج جس قدر ''ماڈرن'' جدید کے رنگ میں رنگتا جارہا ہے عفت و پاکدامنی، شرم و حیا، حجاب و پردہ کا رواج اور محرم و نامحرم کے مسائل قریب قریب ختم ہی ہوتا جارہے ہیں اور نسل نو شرم و حیا جیسی نعمت سے محروم بھی ہوتی جارہی ہے! اس میں والدین، عزیز و اقارب، اڑوس پڑوس، اسکول و کالج اور سماج کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ قصوروار ہمارے ملک کا میڈیا اور یورپین کلچر کے نقال ٹی وی چینلز بھی ہیں جس تواتر سے بچّوں اور بڑوں کو بے حیائی کا درس دے رہا ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔

قابلِ غور ہے کہ جو نسلِ نو والدین، عزیز و اقارب اور اپنے بڑے بزرگوں کے پہلو میں بیٹھ کر فلموں ڈراموں کے گندے اور حیا سوز مَناظر دیکھ کر پروان چڑھے گی تو اس میں شرم و حیا، محرم و نامحرم اور پردے کا جوہر کیسے پیدا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ نسلِ نَو کی ایک تعداد شرم و حیا کے تصوّر سے بھی کوسوں دور دکھائی دیتی ہے۔ حالانکہ اسلامی تہذیب میں ایک معمولی پازیب کی آواز کو بھی پردہ میں رکھنے کا حکم ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک حسین و جمیل جوان عورت کو لالی لپ اسٹک، عطر و پرفیوم، پاوڈر اور زیب و زینت کی تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ کھلے چہرہ گھومنے کی اجازت ہو جائے، ہرگز نہیں!

جب ایک جوان، بے پردہ نیم برہنہ عورت کو دیکھتا ہے تو رغبت کو پورا کرنے کیلئے اس کی طرف اس طرح لپکتا ہے جیسے ہوائی کی دکان پر کھلی مٹھائیوں پر بھن بھناتی مکھیاں یا قصاب کی دکانوں کے باہر بیٹھے کتے جو کھلے گوشت کے لوتھڑوں کو ٹک ٹکی نگاہوں سے دیکھا کرتے ہیں۔ یہ للچائی ہوئی ہوس آلود نگاہوں کا انجام کیا ہوتا ہے وہ آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں!

بقول شاہین حمیدہ:

کون بدن سے آگے دیکھے عورت کو　　سب کی آنکھیں گروی ہیں اس نگری میں

حضرت زہراؑ کے نقطہ نظر سے عورت کی خدا تعالیٰ سے قریب ترین حالت وہ ہوتی ہے جب وہ اپنے آپ کو غیروں (نامحرموں) کی نظروں سے دور رکھتی ہے اور گھر میں وقت گزارتی ہے، اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہے اور اپنے شوہر کی خدمت اور اس کی آسائش کا سامان فراہم کرتی ہے۔

حضرت امام صادقؑ نے اس سلسلے میں حضرت فاطمہؑ کا حوالہ دیا اور فرمایا:أَنَّ أَدْنَى مَا تَكونُ مِنْ رَبِّهَا أَنْ تَلْزَمَ قَعْرَ بَيتِهَا، عورت کی خدا تعالیٰ کے قریب ترین حالت اس وقت ہوتی ہے جب وہ گھر میں رہتی ہے اور گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش کرتی ہے۔[1]

ایک مسلمان عورت اپنی عفت و عصمت کے تحفظ کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کو کبھی نہیں بھولتی اور عمر بھر اپنے حجاب کی حفاظت ایک قیمتی زیور کی طرح کرتی ہے۔

حضرت زہراؑ کا یہ مشہور قول، جو معاشروں کے استحکام کی ضامن اور خاندانوں کی قوت و طاقت کا ذریعہ ہے، ہمیشہ مسلمان خواتین بالخصوص نوجوان لڑکیوں کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے، آپؑ نے فرمایا:خَيرٌ لِلنِّسَاءِ أَنْ لَا يرَينَ الرِّجَالَ وَ لَا يرَاهُنَّ الرِّجَالُ؛ عورتوں کا بہترین اور افضل عمل یہ ہے کہ وہ [غیر محرم] مردوں کی طرف [غیر ضروری طور پر] نہ دیکھیں اور [غیر محرم] مرد ان کی طرف بھی نہ دیکھیں۔"[2] یہ قرآن مجید فرقان حمید کی اس بات کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

''مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے کہ جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں اور اپنی آرائش کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے والد یا اپنے خسر کے یا اپنے بہن، بھائیوں اور بچوں کے۔''

مگر افسوس! عصر حاضر کی قیامت خیزیاں کہ اب عورت گھر کے ساتھ باہر کی بھی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے پر مجبور ہے۔ نیز گھر کی زینت سمجھی جانے والی عورتوں کو آج گلی کوچوں، پارکوں، اشتہاروں، اسٹیجوں، ہوٹلوں، دفتروں، بازاروں اور شاپنگ سینٹروں وغیرہ کی زینت بنادیا گیا ہے! حالانکہ عورت خدا کا سب سے حسین ترین شاہکار ہے، جو صرف حسین و جمیل ہی نہیں بلکہ خدا نے اس میں جذبات و احساسات، محبت و شفقت، صبر و نرمی، غمگساری، ایثار و قربانی، نازک خیالی، امور خانہ داری، نزاکت و نفاست و سلیقہ مندی جیسے اوصافِ جوہر سے لبریز کر اس دنیا میں بھیجا ہے۔

عورت نہ شمع محفل ہے اور نہ بازیچۂ ہوس بلکہ عورت، عورت ہے عورت کے لفظ کا ماخذ عربی زبان ہے جس کا مطلب وہ اعضاء یا وہ حصے جنہیں ڈھانپا جائے اور اصطلاحی معانی میں عورت ایسی مخلوق کا نام ہے جو شرم و حیا کا پیکر و منبع ہو۔

اللہ نے عورت کو جو مرتبہ عنایت کیا ہے، وہ کسی اور کو حاصل نہیں، تاکہ عورت اپنی ازواجی زندگی کے ساتھ ساتھ سماجی زندگی کے طور پر بھی ایک بہترین معاشرے کی تعمیر و تشکیل کر سکے بقول شاعر اہل بیتؑ ندیم سرسویؔ

حسن گیتا کا حیا کا کہیں قرآن ہے تو

---

[1] ۔ نوادر راوندی، ص ۱۴، کشف الغمۃ، ج ۲، ص ۲۳ و ۲۴.

[2] ۔ وسائل الشیعۃ، ج ۲۰، ص ۶۷

خود کو پہچان خدائی کی نگہبان ہے تو

سر جھکاتا ہے ترے سامنے خنجر کا غرور　　ختم تاریکیاں کرتا ہے ترے صبر کا نور

گھور کر دیکھ لے تو جس کو وہ ڈر تا ہے ضرور　　تربیت تیری عطا کرتی ہے تہذیب و شعور

جنگ کا طرز نیا سب کو سکھایا تو نے

رہ کے پردے میں حکومت کو رلایا تو نے

بہر حال! موجودہ تباہ کن طرز معاشرت سے خواتین اجتناب کریں اور سیرت فاطمیؑ کو اپنی پوری زندگی پر حکمران بنائیں تاکہ گھر و خاندان اور سماج و معاشرہ اعلیٰ اخلاق و اقدار کا گہوارہ بن سکے اس لئے کہ ایک صالح معاشرہ کا خواب صالح خواتین کی کوششوں کے بغیر شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا، ہماری دعا ہے کہ:

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی　　خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

جس دن ہم سیدہ دو عالمؑ کی اطاعت و اتباع کا کامل نمونہ بن جائیں گے اس دن ہمیں تمام عالم میں فوقیت عطا ہو جائے گی۔ جس دن ہم زہرائے مرضیہؑ کی معرفت و شناخت اور آپؑ کی محبت کے سچے جذبے سے ہمارے قلوب مملو ہو جائیں گے اس روز غمِ روزگار کا انتہا اور ہمارے سروں پر شافعۂ روز محشر کے لطف و کرم کا آنچل ہوگا۔

بطور خلاصہ سیرتِ اُمّ الائمہؑ کے پیش نظر ہماری خواتین کو چاہیے کہ وہ اپنی رفعت و بلندی اور عظمت و وقار کو پہچاننے کی کوشش کریں اور ہر شعبہ زندگی میں اپنے آپ کو سیدۂ کونینؑ کی حیات طیبہ کے آئینے میں دیکھیں اور اپنے گھر و خاندان اور اپنے سماج میں ایک مثالی بیٹی، بہن، بیوی اور ماں کا کردار ادا کریں۔

یاد رہے! دورِ حاضر میں تعلیم و ترقی، مساویانہ حقوق اور آزادئ نسواں جیسے پر فریب نعرے کا ہماری خواتین ہرگز شکار نہ ہوں... اس لئے کہ اس پُر فریب نعرے نے نہ جانے کتنے گھر و خاندان کو ویران اور کتنی ہی عورتوں کی عصمت و عفت کو تار تار کر دیا ہے! جو عزت و شرف اور عظمت و بزرگی خواتین کو اسلام نے دی ہے وہ کسی بھی دین میں میسر نہیں، آج یورپ اور ان کے روشن خیال ہمنواؤں نے عورت کو فطری حیاء کے حصار سے نکال کر کوچہ و بازاروں، شاپنگ ہالوں، ہوٹلوں، چوکوں، چوراہوں، شاہراہوں، اسٹیجوں، ڈانسنگ کلبوں، اور دیگر نامناسب مقامات کی "رونق" بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی! لہذا ہماری خواتین کو ان پُر فریب نعروں اور دشمن کے اس استحصالی نظام سے دور رہنے اور ایک مثالی زندگی گزارنے کے لئے اپنی زندگیوں کو محمدؐ و آلِ محمدؐ خاص کر سیدہ دو عالم، اُم الائمہ، شفیعۂ روز جزا، حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی سیرت و تعلیمات کے مطابق ڈھالیں تاکہ دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی ان کا مقدر بن جائے!

سنور جائے گی سب کی عاقبت، سب کا بھلا ہوگا　　قیامت میں نبیؐ کی بیٹیؑ کا بس آسرا ہوگا!

حضرت فاطمہ علیہا السلام کا طرز حیات

فیروز علی بنارسی

رب کریم کا اپنے بندوں پر ایک کرم یہ بھی ہے کہ اس نے اسے زیور وجود سے آراستہ کرنے کے بعد اسے اپنی شان و منزلت کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے باطنی رہنما یعنی عقل اور ظاہری رہنما یعنی ہادیان دین جیسی نعمت عظمیٰ[1] عطا فرمائی۔ جہاں کاروان ہدایت و سعادت کے ان امیر کاروان کے ارشادات و فرمودات اور ہدایات و تعلیمات کو مشعل راہ قرار دیا وہیں ان حضرات کے طرز حیات اور زندگی بسر کرنے طریقہ اور سلیقہ کو ہمارے لئے اسوۂ حسنہ اور بہترین نمونہ عمل قرار دیا۔

انھیں ہادیان دین اور رہنمایان اسلام میں سے ایک حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی ذات و والا صفات ہے اور آپ کی حیات طیبہ جہاں عام مومنین و مسلمین اور عالم انسانیت کے لئے نمونہ و اسوہ ہے وہیں امام زمانہ عجل اللہ فرجہ بھی یہ فرماتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ: فی ابنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لی اسوۃ حسنۃ بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات و الاصفات میں میرے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔

ذیل میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی حیات طیبہ اور زندگی بسر کرنے کے طرز و طریقہ کو اس امید کے ساتھ نذر قارئین کیا جارہے کہ آپ کا طرز حیات ہم سب کے لئے مشعل راہ قرار پائے گا اور اس کی روشنی میں اپنی دنیا و آخرت کو سنوارنے کی کوشش کریں گے۔

مکان

جب حضرت علی علیہ السلام نے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے عقد کر لیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ سے فرمایا: اے علیؑ! اپنے لئے ایک گھر تلاش کرو۔ امام علیؑ تلاش میں مصروف ہو گئے اور چند دنوں بعد ایک گھر تیار کیا اور شادی کی تقریب اُس گھر میں منعقد ہوئی۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دختر نیک اختر کے پاس آئے اور فرمایا: اے فاطمہؑ! مَیں تمہیں اپنے گھر لے جانا چاہتا ہوں۔

جنابِ فاطمہ علیہا السلام نے عرض کیا: باباجان! آپ حارثہ بن نعمان سے گفتگو کیجئے کہ وہ اپنے گھروں میں سے ایک گھر ہمیں دے دیں۔ آپؐ نے فرمایا: حارثہ نے ہم لوگوں کو اپنے گھروں میں اس قدر جگہ دے رکھی ہے کہ اب اُس سے کچھ کہنے میں شرم آتی ہے۔

یہ بات حارثہ کو معلوم ہو گئی۔ وہ رسولؐ خدا کی خدمت میں آئے اور عرض کیا:

---

[1] بحار الانوار ج ۵۳ ص ۱۷۸ باب ۳۱

یارسولؐ اللہ! مجھے خبر ملی ہے کہ آپؐ کا ارادہ ہے کہ فاطمہؑ کو اپنے گھر میں لے آئیں۔ مَیں نے بنی نجار سے آپؐ کے سب سے قریب اپنے گھروں کو آپؐ کے حوالہ کیا۔ مَیں اور میرا سب کچھ خدا اَور رسولؐ کی عطا ہے۔ یارسولؐ اللہ! خدا کی قسم! آپ مجھ سے جو قبول فرماتے ہیں، وہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے، اُس سے جسے آپؐ میرے پاس چھوڑ دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے صحیح کہا ہے۔ خدا تم کو خیر و برکت عنایت فرمائے۔

اس طرح آنحضرتؐ جنابِ فاطمہ زہرا علیہا السلام کو حارثہ کے گھر لے آئے[1]۔

جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے شوہر نامدار کے گھر چلی گئیں ۔ آپ خانۂ رسالت و نبوت سے خانۂ امامت و ولایت میں منتقل ہو گئیں۔ آپ قداست و پاکیزگی سے بھرے ماحول میں زندگی بسر کر رہی تھیں کہ زہد کی عظمت اور دنیا کی بے رغبتی آپ پر حاوی تھی۔

جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا دنیوی و آخروی امور میں اپنے شوہر نامدار کی مدد فرماتی تھیں۔ حضرت علی علیہ السلام جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا اسی طرح احترام و اکرام فرماتے تھے جس کی آپ شایانِ شان تھیں۔ صرف اس لئے نہیں کہ وہ آپؑ کی زوجہ اور شریک حیات تھیں، بلکہ اس لحاظ سے کہ آپ خدا اور رسولؐ کے نزدیک سب سے محبوب مخلوق اور عالمین کی عورتوں کی سردار تھیں اور آپ کا نور نورِ نبیؐ تھا۔

امام علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے حارثہ بن نعمان کے گھر میں رہنے کی مدت دقیق طور پر معلوم نہیں ہے۔

ذاتی گھر کی تعمیر:

چند دنوں بعد رسول اللہ ﷺ نے مسجد سے متصل جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لئے ایک گھر تعمیر کرایا جس کا آپؐ کی ازواج کے گھروں کے مانند مسجد میں راستہ تھا۔ اس کے بعد جنابِ فاطمہ زہرا علیہا السلام اس جدید گھر میں منتقل ہوئیں جو خدا اور رسولؐ کے گھر سے متصل تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس مقدس نہال نبوی کو بغیر نگرانی کے نہیں چھوڑا اور اپنی ہدایات کی روشنی میں ان کا تحفظ فرماتے تھے۔ یہ زوجہ و شوہر آنحضرتؐ کے سایہ پر برکت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ زہراؑ کو زندگی کے معانی تعلیم فرمائے اور آپؑ پر واضح کر دیا کہ زندگی کی اساس و بنیاد انسانیت پر استوار ہے۔ ازدواجی زندگی کی سعادت و خود بختی اگر پسندیدہ اخلاق اور اسلامی اقدار پر قائم ہو، تو وہ؛ ہر قیمتی اموال و زیورات اور تجملات سے بلند و برتر ہے۔

گھر چلانے میں تعاون و مہر و محبت

---

[1] طبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۲۲

بیت علی و فاطمہ علیہما السلام وہ گھر تھا کہ جس نے اپنے اندر معصوم اور گناہوں سے پاک و پاکیزہ اور اخلاقی فضائل اور انسانی کمالات سے حامل زوجہ و شوہر کو جگہ دے رکھی تھی۔ علیؑ عالم اسلام میں مرد کامل کا نمونہ اور فاطمہؑ کامل خاتون کا نمونہ تھیں۔ یہ دونوں حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ کمال کی منزلوں پر فائز ہوئے اور آنحضرتؐ نے انھیں علوم و فضائل سے سیراب فرمایا تھا۔ ان کے تیز کان بچپن ہی سے قرآن مجید کی آواز سے مانوس تھے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روز و شب اور ہر لمحہ ان کے لئے قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔ یہ دونوں حضرات غیب کا علم رکھنے والے تھے۔ اسلامی علوم و معارف کو اس سے شیریں چشمہ سے حاصل کیا تھا اور اسلام کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک میں مجسم اور جلوہ نما دیکھتے تھے۔ ان تمام فضائل کے باوجود کیونکر ان حضرات کا گھر ایک نمایاں اور نمونہ مسلمان گھر شمار نہ ہو؟

حضرت علی اور جنابِ فاطمہ علیہما السلام کا گھر مہر و محبت اور اخلاق و ہدلی کا سب سے برتر و بہتر نمونہ تھا۔ یہ حضرات نہایت مہر و محبت کے ساتھ گھر کے امور کو انجام دینے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ جنابِ فاطمہ علیہا السلام فرماتی ہیں:

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مردانہ کاموں سے معاف رکھا تو صرف خدا ہی جانتا ہے کہ مَیں کس قدر خوش ہوئی تھی[1]۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

امیر المومنین علیہ السلام گھر کے لئے لکڑیاں فراہم فرماتے تھے، پانی لاتے تھے اور گھر میں جھاڑو لگاتے تھے اور جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا آٹا پیستیں، خمیر کرتیں اور روٹی پکاتی تھیں[2]۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا مکتب وحی کی پروردہ تھیں اور آپؑ کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ گھر اسلام میں عورت کا مضبوط قلعہ اور بہت اہم موقعیت کا حامل ہوتا ہے۔ اور اگر وہ گھر کے کاموں سے کنارہ کشی کر کے دوسرے امور انجام دیتی ہیں، تو اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں اپنے فرائض کی انجام دہی سے عاجز و ناتوان رہ جائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں حضرات کے کاموں کی جو تقسیم بندی فرمائی تو اس پر حضرت زہراؑ کا رخ انور خوشی سے چمک اٹھا تھا۔

رسولؐ خدا سے کنیز کی درخواست اور معنوی عطا

بنت رسول علیہا السلام اپنے گھر کو خوشحال رکھنے کے لئے اپنی پوری طاقت و قوت کو بروئے کار لاتی تھیں۔ گھر کے فرائض اور ذمہ داریوں کو تمامتر مشکلات اور دشواریوں کے باوجود دوسروں کے کاندھوں پر نہیں ڈالتی تھیں۔ اس طرح کہ امیر المومنین علیہ السلام نے جناب فاطمہ علیہا السلام کی قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے قبیلہ سعد کے ایک آدمی سے فرمایا:

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۸۱

[2] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۵۱

کیا مَیں تمہیں اپنے اور فاطمہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ فاطمہ میرے گھر میں تھیں۔ وہ اہلبیتؑ میں رسول خدا ﷺ کے لئے محبوب تھیں۔ انھوں نے اس قدر پشت پر مشک اٹھائی تھی کہ اس کے بند کے نشان آپ کے سینہ پر رہ گئے تھے، اس قدر چکی چلاتی تھیں کہ آپ کے ہاتھوں میں ورم پڑگیا تھا، اس قدر گھر میں جھاڑو لگاتی تھیں کہ آپ کے لباس گرد و غبار میں اَٹ جاتے تھے، اس قدر چولہا چلاتی تھیں کہ آپ کے لباس دھوئیں کی وجہ سے کالے ہو جاتے تھے۔ اس طرح انھوں نے بہت زحمتیں اٹھائیں۔ مَیں نے اُن سے کہا: 'اپنے والد گرامی کی خدمت میں جائیے اور اُن سے درخواست کیجئے کہ ایک کنیز آپ کو عطا فرمادیں تاکہ ان کاموں کی انجام دہی کا بوجھ آپ کی گردن سے اتر جائے۔

جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے روانہ ہوگئیں اور وہاں پہنچ کر آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ آپ سے محو گفتگو ہیں۔ آپ نے شرم محسوس کی اور گھر واپس تشریف لے آئیں۔ رسول اکرمؐ سمجھ گئے کہ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کس کام سے آپ کی خدمت میں آئیں تھیں؟ آپ دوسرے دن صبح اُس وقت میرے گھر تشریف لائے جب ہم، بستر ہی میں تھے اور فرمایا: ''سلام علیکم!''۔ مَیں نے جواب دیا اور آپ کو گھر میں آنے کی دعوت دی۔ آنحضرت تشریف لائے اور فرمایا: 'فاطمہ! کل تم مجھ سے کیا چاہ رہی تھیں؟' مَیں ڈر گیا کہ اگر فاطمہ نے والد گرامی کا جواب نہیں دیا تو آپ واپس تشریف لے جائیں گے۔ لہٰذا مَیں نے عرض کیا: 'یارسولؐ اللہ! فاطمہ نے اس قدر مشک کاندھوں پر اٹھائی ہے کہ مشک کے بند نے ان کے سینہ کو تکلیف پہنچائی ہے، اس قدر چکی چلاتی ہیں کہ ان کے ہاتھ میں ورم آگیا ہے، اس قدر جھاڑو لگاتی ہیں کہ لباس گرد و غبار میں اٹے ہیں، چولہا چلانے کی وجہ سے آپ کے لباس کا رنگ دھوئیں سے زیادہ کالا ہوگیا ہے۔ مَیں نے ان کے سامنے ایک تجویز رکھی کہ بہتر ہوگا کہ آپ اپنے والد گرامی کی خدمت میں جائیں اور ان سے درخواست کریں کہ آپ ایک کنیز ان کے حوالہ کر دیجئے تاکہ ان پر پڑنے والی مشکلات و زحمات کچھ کم ہو جائیں۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: 'کیا تم پسند کروگے کہ مَیں تمہیں ایک ایسی بات تعلیم دوں جو کنیز سے کہیں زیادہ بہتر ہے؟ سوتے وقت ۳۳/ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳/ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴/ مرتبہ اللہ اکبر کہو۔

دوسری روایات میں یہ آیا ہے کہ جب جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے والد گرامی سے اپنے حالت بیان کی اور کنیز کی درخواست کی، تو آنحضرتؐ رو پڑے اور فرمایا: فاطمہ! قسم اُس خدا کی جس نے مجھے برحق مبعوث رکھا! چار سو بھوکے بے لباس آدمی مسجد میں گزر بسر کر رہے ہیں۔ اگر مجھے خوفِ خدا نہ ہوتا تو مَیں تمہیں وہ دے دیتا جس کی تم نے درخواست کی ہے۔ فاطمہ! مَیں نہیں چاہتا کہ تمہارا اجر و ثواب ایک کنیز بن جائے۔ اس بات کا خوف ہے کہ جب علی ابن ابی طالب روزِ قیامت بارگاہِ خدا میں تم سے اپنے حق کا مطالبہ کریں، تو وہ تم سے احتجاج کرنے لگیں۔ اس کے بعد آپؐ نے جنابِ سیدہؑ کو تسبیح کی تعلیم دی۔ امیر المومنین علیہ السلام سے جنابِ فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا:

فاطمہ! آپ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس ایک دنیوی درخواست لیکر گئی تھیں، لیکن خداوند عالم نے ہمیں آخرت کا اجر و ثواب عطا فرمایا[1]۔

رسولِ اکرم ﷺ کا اپنی بیٹی اور داماد سے صمیمانہ رابطہ

ایک دن رسولِ اکرم ﷺ مولا علی علیہ السلام کے گھر تشریف لائے۔ دیکھا وہ اور فاطمہ علیہا السلام چکّی میں آٹا پیس رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: کون تھک گیا ہے؟ علی نے فرمایا: فاطمہ زیادہ تھک گئی ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: بیٹی! اب اٹھ جاؤ۔ جنابِ سیدہؑ اُٹھ گئیں۔ آنحضرتؐ آپ کی جگہ بیٹھ گئے اور چکّی چلانے اور آٹا پیسنے میں اپنے داماد علی علیہ السلام کی مدد کرنے لگے[2]۔

مشترکہ زندگی میں بہت زیادہ دشواریاں برداشت کرنا:

رسول اکرم ﷺ نے دیکھا کہ جنابِ فاطمہؑ اونٹ کے بالوں سے بنی ردا اوڑھے ہیں، چکّی چلا رہی ہیں اور بچّوں کو شیر دے رہی ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر آنحضرتؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا: بیٹی! دنیا کی تلخیوں کو آخرت کی شیرینی حاصل کرنے کے لئے گزار لو۔

جناب فاطمہؑ نے جواب دیا: مَیں خدا کا اُس کی نعمتوں اور اس کی عطا کردہ عزت و کرامت پر شکر ادا کرتی ہوں۔

اس کے بعد پروردگار عالم نے یہ آیت نازل فرمائی: خدا روزِ قیامت آپ کو اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیے گا[3]۔

انس بن مالک سے منقول ہے کہ ایک دن بلال نے اذان کہنے میں دیر کر دی، تو رسولِ اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: کون سی چیز تمہاری دیری کا سبب بنی؟ عرض کیا: میرا گزر بیت فاطمہؑ سے ہوا۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ چکّی چلا رہی ہیں اور ان کا بچہ رو رہا ہے۔ مَیں نے اُن سے عرض کیا: 'اگر آپ اجازت دیجئے تو مَیں چکّی چلا دوں اور آپ بچّے کو چپ کریں، یا آپ چکّی چلائیے اور مَیں بچہ کو بہلاوں؟' جنابِ فاطمہؑ نے فرمایا: 'بلال! مَیں بچّے کو تم سے بہتر طریقہ سے بہلا سکتی ہوں۔' اسی وجہ سے مجھے دیر لگ گئی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: تم نے فاطمہؑ پر رحم کیا؛ خداوند عالم تم پر رحم کرے[4]۔

اسماء بنت عمیس فاطمہ زہرا علیہا السلام سے روایت کرتی ہیں:

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۸۵

[2] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۵۰

[3] بحار الانوار، ج ۳، ص ۸۶

[4] ذخائر العقبیٰ، ص ۶۱

ایک دن رسولِ اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میرے فرزند حسن و حسین کہاں ہیں ؟ مَیں نے عرض کیا: گھر میں کھانے کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں تھا، تو علی علیہ السلام نے فرمایا کہ مَیں ان دونوں کو فلاں شخص کے پاس لے جارہا ہوں۔

رسولِ اکرم ﷺ بچوں کی تلاش میں نکل پڑے۔ آپؐ نے دیکھا کہ وہ ایک چشمے کے پاس کھیل رہے ہیں اور اُن کے سامنے کچھ کھجوریں رکھی ہیں۔ آپؐ نے علی علیہ السلام سے فرمایا: یا علیؑ! گرمی بڑھنے سے پہلے کیا بچوں کو گھر واپس لے جانے کا ارادہ نہیں ہے؟ عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! گھر میں کچھ کھانے کو نہیں تھا، اگر ذرا تشریف رکھیں تو مَیں فاطمہ کے لئے کچھ کھجوروں کا انتظام کرلوں ؟۔ اس کے بعد آپؐ نے چند کھجوروں کا اہتمام کیا اور اُسے پیراہن کے ایک حصّے میں رکھ کر گھر واپس آئے[1]۔

عمران ابن حصین سے منقول ہے:

مَیں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں تھا کہ اتنے میں فاطمہ زہرا علیہا السلام داخل ہوئیں اور آنحضرتؐ کے سامنے کھڑی ہوگئیں۔ آپ نے جنابِ فاطمہؑ پر نظر ڈالی، تو دیکھا کہ بھوک کی شدت کی بنا پر روئے مبارک زرد ہوگیا ہے۔ آپؐ نے دو مرتبہ فرمایا: فاطمہ! میرے پاس آؤ۔ جنابِ فاطمہؑ قریب آئیں اور والد گرامی کے سامنے کھڑی ہوگئیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک کو جنابِ فاطمہؑ کی گردن پر رکھا اور عرض کیا: اے وہ خدا جو بھوکوں کو سیر کرتا ہے اور لوگوں کو ہلاکت سے نجات دلاتا ہے! میری فاطمہ کو کبھی بھی بھوکا نہ رکھ![2]

سادہ زندگی

جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی نظر میں دنیا تو بھوک و تھکن اور سختی و دشواری سے پنجالڑانا ہے، لیکن یہ ساری چیزیں صبر و بردباری اور ایثار و بخشش کی شیرینی سے مخلوط ہیں۔ جناب فاطمہؑ ان سختیوں کے عوض میں خدا کی بے نایاب نعمتوں کو حاصل کریں گی۔ اس دن جب صبر کرنے والے بے حساب اجر و ثواب حاصل کریں گے۔

جنابِ فاطمہ زہرا علیہا السلام کی حیات طیبہ میں تحقیق کے ذریعہ یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آپ کی زندگی بنی نضیر، خیبر کے یہودیوں پر کامیابی کے بعد ملنے والی کثیر دولت اور فدک کی مالکیت حاصل ہونے کے بعد بھی ذرہ برابر بھی تبدیل نہیں ہوئی، جبکہ ایک روایت کے مطابق فدک کی آمدنی سالانہ چوبیس ہزار دینار تھی اور ایک روایت کے مطابق ستّر ہزار دینار تھی[3]۔

---

[1] ذخائر العقبیٰ، ص ۱۶۱

[2] نظم درر السمطین، ص ۱۹۱

[3] سفینۃ البحار، ج ۷، ص ۴۵

ایک تفصیلی روایت میں منقول ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے اپنے پدر بزرگوار سے عرض کیا: باباجان! سلمانؓ میرے لباس کی حالت سے تعجب میں پڑ گئے۔ قسم اُس ذات کی جس نے آپ کو برحق مبعوث کیا ہے! پانچ سال ہو گئے کہ میرا اور علیؑ کا بستر گوسفند کی کھال ہے کہ دن میں اُس پر اپنے اونٹ کے لئے چارہ ڈالتے ہیں اور رات میں اُس پر سوتے ہیں۔ ہمارے تکیے کھال کے ہیں اور ان کے اندر کھجور ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان باتوں کو سنا، تو سلمان سے فرمایا: اے سلمان! میری بیٹی فاطمہ زہراؑ نے دوسری عورتوں پر سبقت حاصل کی ہے[1]۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے نہ ہی اپنے گھر کی مرمت کرائی، نہ ہی اپنے لئے محل تعمیر کرایا، نہ ہی حریر و دیبا کے لباس زیب تن کئے اور نہ ہی گرانقدر اشیاء کو حاصل کرنے کے درپے تھیں، بلکہ آپ نے اپنی پوری دارائی فقیروں اور ضرورتمندوں کے درمیان اور لوگوں کو توحید پرستی کی طرف دعوت دینے اور دین اسلام کے پھیلانے میں خرچ کر دی۔ آپ کے شوہر نامدار حضرت علی علیہ السلام بھی انھیں صفات و خصال کے حامل تھے۔ آپ نے ینبع میں چند کنویں کھودے، پانی تک پہنچے، اس کے بعد سارے کنویں کو حاجیوں پر وقف کر دیا۔

آنحضرتؐ کے اموال کی زکات سالانہ چالیس ہزار دینار تک پہنچ گئی تھی۔ صرف اتنی ہی مقدار بنی ہاشم کے سارے خاندانوں کی ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے کافی تھی۔ اگر ہم یہ نہ کہیں کہ ان افراد کے علاوہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لئے کافی تھی۔

شوہر نامدار سے جدلی

جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اسلام کی سب سے بڑی شخصیت کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھیں کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ رسولِ اکرمؐ کے بعد سب سے برتر و بالا مقام کے حامل تھے۔ ایک ایسا مرد مجاہد جس کی ساری تمنا اسلام کی ترقی اور اس مقدس دین کا دفاع تھا۔ جس دن سپاہانِ اسلام ہر وقت مکمل جنگ کی تیاری میں رہا کرتے تھے، حالات بہت حساس اور نازک تھے کیونکہ ہر سال دشمنوں سے کئی تباہ کن جنگیں ہوئی تھیں اور امام علی علیہ السلام ان میں سے زیادہ تر جنگوں میں شرکت فرماتے تھے۔ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام بھی گھر میں محبت و عطوفت کا ماحول فراہم کر کے علی علیہ السلام کے جنگ و جہاد کے ثواب میں بڑا حصہ رکھتی تھیں۔ اسی لئے روایات میں آیا ہے کہ عورت کا جہاد اچھی شوہر داری ہے[2]۔

---

[1] عوالم العلوم والمعارف، ج۱۱، ص۱۳۰

[2] وسائل الشیعہ، ج۲۰، ص۲۱۱

صدیقۂ طاہرہ علیہا السلام امور میں اپنے شوہر نامدار کی تشویق فرماتی تھیں اور آپ کی شجاعت و جاں نثاری کی تعریف کرتی تھیں اور درپیش جنگوں کے لئے آپ کو قوت و حوصلہ دلاتی تھیں۔ آپ کے زخموں پر مرہم لگاتی تھیں اور درد و تکلیف میں آپ کے لئے سکون کے اسباب فراہم کرتی تھیں۔ تھکن کو ان سے دور کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: جب مَیں فاطمہ کو دیکھتا ہوں، تو میرا غم واندوہ دور ہو جاتا ہے[1]۔

جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنی ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں کی ادائیگی پر بہت زیادہ توجہ دیتی تھیں۔ کبھی بھی اپنے شوہر نامدار کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جاتی تھیں۔ آپ نے کبھی بھی علیؑ کو ناراض نہیں کیا۔ اپنے شوہر نامدار سے کبھی بھی جھوٹ نہیں بولیں اور نہ ہی آپ کے حکم کی نافرمانی کی۔

امام علی علیہ السلام بھی اسی طرح فاطمہ زہراؑ کا احترام اور محبت کرتے تھے اور آپ کے بلند مقام و منزلت سے واقف تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:

خدا کی قسم! جس وقت سے زہرا میرے گھر میں آئی، اُس وقت سے دنیا سے رخصت ہونے تک مَیں نے کبھی بھی اُنھیں ناراض نہیں کیا اور زحمت میں نہیں ڈالا۔ انھوں نے بھی کبھی مجھے ناراض نہیں کیا اور نہ ہی میرے حکم کی نافرمانی کی[2]۔

شوہر نامداری کے مالی حالات کا خیال رکھنا

ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت علی علیہ السلام بھوکے تھے؛ جنابِ فاطمہ زہرا کے پاس آئے اور فرمایا: فاطمہ! کیا گھر میں کھانے کی کوئی چیز ہے جس سے مَیں اپنی بھوک دور کر سکوں؟ عرض کیا: نہیں! قسم اُس ذات کی جس نے میرے والد کو رسالت اور آپ کو ولایت و خلافت عطا فرمائی! آج میرے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ دو دن سے کوئی خوراک نہیں ہے؛ سوائے اتنی ہی مقدار کہ جس کی طرف اشارہ کیا۔

علی علیہ السلام نے فرمایا: فاطمہ! کیوں مجھے بتایا نہیں تاکہ مَیں تمہارے لئے کچھ لے آتا؟ عرض کیا: اے ابو الحسن! مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ مَیں آپ کو ایک ایسی چیز فراہم کرنے کے لئے کہوں جو آپ فی الحال نہیں کر سکتے[3]۔

ماں کا کردار ادا کرنا اور تربیت اولاد:

مادری ذمہ داری حساس اور بہت اہم ذمہ داریوں میں سے تھی جو حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے دوش مبارک پر رکھی گئی تھی۔ آپ کی پانچ اولادیں حسنؑ، حسینؑ، زینبؑ، کلثومؑ اور محسنؑ تھے کہ ان میں سے جنابِ محسنؑ ولادت سے پہلے ہی شہید ہو گئے۔

---

[1] مناقب خوارزمی، ص ۳۵۳

[2] مناقب خوارزمی، ص ۳۵۳

[3] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۵۹

خداوند عالم نے فرمایا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی نسل حضرت فاطمہ زہراؑ سے آگے بڑھے جیسا کہ رسولِ اکرمؐ نے خبر دی تھی: خدا نے ہر نبی کے ذریت کو اسی نبی کی صلب میں قرار دیا ہے، لیکن میری ذریت کو علیؑ ابن ابی طالبؑ کی صلب میں قرار دیا ہے[1]۔

اولاد کے ساتھ عطوفت و مہربانی

جناب فاطمہ زہراؑ مکتب وحی و نبوت کی پروردہ تھیں اور اچھی طرح سے اسلام کے تربیتی طریقوں سے واقف تھیں۔ آپ اپنے فرزندوں کے ساتھ نہایت مہربان تھیں اور آپ ازراہ مہر و محبت تعلیمات الٰہی کو خوشگوار سند کے مانند ان کے وجود میں گھولتی تھیں۔

امام حسن و امام حسین علیہما السلام کی شفا کے لئے نذر کرتی ہیں کہ تین روزے رکھیں گی اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی پیشینگوئی سن کر روتی ہیں[2]۔

وقت شہادت حضرت علی علیہ السلام سے وصیت کرتی ہیں کہ "میرے بعد امامہ سے شادی کر لیجئے کیونکہ وہ میرے بچوں پر زیادہ مہربان ہیں[3]"۔

یہاں تک کہ علی علیہ السلام سے فرماتی ہیں کہ "میرے بچوں پر مہربانی کیجئے گا اور ان کے حق میں خیر و نیکی کیجئے گا"[4]۔

سراپا درد و رنج زندگی کے آخری لمحات میں بستر بیماری سے اُٹھیں اور گھر کے کاموں اور بچوں کو نہلانے دھلانے میں مشغول ہوئیں۔ امام علی علیہ السلام گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ جنابِ سیدہؑ نے بستر بیماری کو چھوڑ دیا ہے اور امور خانہ میں مصروف ہیں۔ جب آپؑ نے فاطمہ زہراؑ کو دیکھا، تو آپؑ کا دل تڑپ گیا کیونکہ آپؑ دیکھ رہے تھے کہ اِس حالت میں بھی آپؑ ایک بار پھر اُٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور سخت کام، جنھیں صحت و سلامتی کے دنوں میں انجام دیتی تھیں، آج بھی اُنھیں کاموں کو انجام دے رہی ہیں۔ اگر امام علیہ السلام حضرت زہراؑ سے بیماری کے باوجود ان امور کی انجام دہی کا سبب دریافت کرتے، تو تعجب کا مقام نہیں تھا۔ جنابِ زہراؑ نے واضح طور پر جواب دیا: ان امور کی انجام دہی کی وجہ یہ ہے کہ آج میری زندگی کا آخری دن ہے۔ مَیں خود اُٹھ کھڑی ہوئی ہوں تاکہ اپنے بچوں کے لباس و بدن کو دھوؤں اور انھیں نہلاؤں کیونکہ ان کے سر پر غبار یتیمی پڑ جائے گا اور وہ بن ماں کے ہو جائیں گے۔

بچّوں کو بہلانا

حضورِ اکرم ﷺ تاکید فرماتے تھے:

---

[1] تاریخ بغداد، ج ۱، ص ۳۱۶

[2] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۲۴۹

[3] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۲۱۷

[4] بحار الانوار، ج ۷۹، ص ۲۷

جس کے یہاں بچہ ہو، وہ اس کے ساتھ کھیلے اور بچوں جیسا برتاؤ کرے۔[1]

اسی تربیتی اصول کی بنا پر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اپنے بچوں کے ساتھ کھیلتی تھیں اور کبھی کبھی دلچسپ و جذاب طریقہ (جیسے گھر میں مقابلہ بزرگوار رکرنا) اپناتی تھیں[2]۔

روح عبادت وبندگی کی ترویج

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک شب مَیں نے دیکھا کہ میری مادرِ گرامی محراب عبادت میں کھڑی تھیں اور طلوع صبح تک نماز دعامیں مشغول رہیں اور سب کے لئے دعائیں کر رہی تھیں۔ مَیں نے عرض کیا: مادرِ گرامی! کیوں ہمارے لئے دعانہیں کی؟

فرمایا: بیٹا! پہلے پڑوسی پھر گھروالے[3]۔

جنابِ فاطمہ زہرا علیہا السلام صرف گفتار کے ذریعہ ہی نہیں، بلکہ اپنے رفتار و کردار اور خالصانہ عبادت کے ذریعہ بچوں اور گھر کے دیگر افراد کے لئے عمل مربی اور نمونہ عمل کا کردار ادا کر رہی تھیں۔ آپ مکتب وحی و نبوت کی تربیت یافتہ تھیں اور آپ کو اسلام کے تربیتی طریقہ بخوبی معلوم تھے۔ ان طریقوں کا فائدہ امام حسن علیہ السلام کی تربیت میں نمودار ہوا کہ آپ نے تاریخ کے دشوار ترین لمحات میں مسلمانوں کی قیادت کی ذمہ داری سنبھال کر رنج و الم کو اپنے اوپر لیا اور نہایت مجبوری کی حالت میں معاویہ سے صلح کر کے اعلان فرمایا کہ اسلام صلح و آشتی کا دین ہے۔ وہ کبھی بھی دشمن کو اجازت نہیں دیتا ہے کہ اندرونی مشکلات سے فائدہ اٹھاکر دین خدا کو نشانہ بنائے اور کمزور بنائے۔

اسی طرح زہراء مرضیہ علیہا السلام نے امام حسین علیہ السلام جیسے فرزند کی تربیت فرمائی کہ جنھوں نے راہِ خدا میں اور ظلم و جور سے مقابلہ کے لئے اپنی، اپنے گھر والوں اور عزیز ترین اصحاب و انصار کی جان کی بازی لگادی تاکہ اپنے مقدس خون کے ذریعہ اسلام کے سربلند درخت کی سینچائی کریں۔ جنابِ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام نے زینب و کلثوم علیہما السلام جیسی بیٹیوں کو اپنے دامن میں پروان چڑھایا اور انھیں ایثار و جاں نثاری اور ظلم و ستم کے سامنے صبر و استقامت کی تعلیم دی تاکہ اربابِ ظلم و جور کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں اور بنی امیہ کے اقتدار کے سامنے نہایت جرأت و ہمت کے ساتھ حق بات کہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین و امت کے خلاف چل رہی سازشوں سے پردہ اٹھادیں.

---

[1] من لایحضرہ الفقیہ، ج ۳، ص ۴۸۳

[2] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۲۸۶

[3] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۸۱

اطہر مزاج، شانِ طہارت ہیں فاطمہ

سید کامل عباس جعفری

دریائے علم اجرِ رسالت ہیں فاطمہ　　قرآن اختصار، فصاحت ہیں فاطمہ

محرومِ عدل، روحِ عدالت ہیں فاطمہ　　اللہ کے نبی کی محبت ہیں فاطمہ

رازِ حیات بنتِ نبی کی حیات میں

ماں ایسی ہم نے دیکھی نہیں کائنات میں

بے شک امامِ صبر و قناعت ہیں فاطمہ　　ہاں معدنِ متاعِ امامت ہیں فاطمہ

صلیٰ علیٰ نبی کی مودت ہیں فاطمہ　　رمزاج، شانِ طہارت ہیں فاطمہ

اس در سے بھیک مانگی ہے خیر جمال نے

پائی ہے پرورش یاں محمد کی آل

مریم سے جو سوا ہے فضیلت انہی کی ہے　　کھائی قسم خُدا نے جو عصمت انہی کی ہے

یہ کربلا میں ساری ریاضت انہی کی ہے　　اور روزِ حشر سچ ہے شفاعت انہی کی ہے

حق کا وہی شعار جو ان کا شعار ہے

ان کی رضا مشیعتِ پروردگار ہے

فاطمہ زہراؑ شیعہ ثقافت میں

علی عباس حمیدی

شیعوں کی ثقافت میں حضرت فاطمہؑ، تعمیلِ حکمِ خدا کی ایک بہترین مثال ہیں "فاستقم کما امرت" کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ہیں ،آپ نے اپنی زندگی میں حق کے دفاع میں کھڑے ہونے کی مکمل عکاسی کی ہے۔ آج شیعوں کی ثقافت میں شہادت طلبی کی سیرت شہرہ آفاق ہے جو جہانِ اسلام کے لئے عیاں ہے۔ یہاں تک کہ میڈیا بھی آج شیعہ ثقافت کی تعریف کئے بنا نہیں رہ سکا۔ یہ درس حضرت فاطمہ علیہا السلام کے مکتب سے ملا ہے کہ آپ نے سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعے کی مخالفت کی اور پہلے مرحلے کی خلافت کو غصبی قرار دیتے ہوئے انکی بیعت نہیں کی۔ آپ نے غصب فدک کے واقعے میں امیر المومنین کے دفاع میں خطبہ دیا جو خطبہ فدکیہ سے مشہور ہے۔ حضرت فاطمہؑ پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے فوراً بعد پہلے خلیفہ کے حامیوں کی طرف سے آپ کے گھر پر کئے گئے حملے میں زخمی ہوئیں اور بیمار پڑ گئیں پھر مختصر عرصے کے بعد ۳ جمادی الثانی سنہ ۱۱ ہجری کو مدینہ میں شہید ہو گئیں۔ دختر پیغمبرؐ کو ان کی وصیت کے مطابق رات کی تاریکی میں دفن کیا گیا اور ان کی قبر آج بھی مخفی ہے۔

یہ تمام چیزیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ شیعہ مفاد پسند نہیں ہوتا بلکہ حق پسند ہوتا ہے اس کے لئے اسے چاہے جتنی بڑی قیمت کیوں نہ چکانی پڑے۔

ایام فاطمی شیعہ ثقافت میں

ایام فاطمی معرفت حق و صداقت، معرفت شریعت، طریقت و حقیقت کا بہترین ذریعہ ہیں ان ایام میں فاطمی طرز زندگی کو سمجھنے کا موقع اور انسانی سعادت کے حصول کی کاوشوں میں سرگرم رہنے کا ایک مکمل نصاب میسر آتا ہے۔ فاطمی سوانح عمری کا تفصیلی تعارف ان تمام شکوک و شبہات کا جواب ہے جو دین اسلام میں خواتین کے مقام کے بارے میں دشمنوں نے اٹھائے ہیں۔

ایام فاطمیہ: حضرت فاطمہؑ کی شہادت کے ایام کو ایام فاطمیہ کہا جاتا ہے۔ ایران سمیت دنیا کے تمام ممالک میں شیعہ حضرات ۳ جمادی الثانی کو آپؑ کی شہادت کی مناسبت سے عزاداری کرتے ہیں اور بعض ممالک من جملہ ایران میں اس دن سرکاری سطح پر چھٹی ہوتی ہے اور شیعہ مراجع تقلید ننگے پاؤں عزاداری میں شرکت کرتے ہیں۔

فاطمی ثقافت کی ترویج میں معصومین کا کردار

ہر معصوم نے ہر دور میں یہ کوشش کی ہے کہ فاطمی ثقافت کو اپنے شیعوں میں عام کریں اور لوگ اس راہ سے منزل ہدایت تک پہنچیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: جناب فاطمہؑ کی اطاعت پروردگار کی تمام مخلوقات، جنات، انسان، پرندوں، درندوں، انبیاء اور فرشتوں پر واجب ہے۔[1] امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جس نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی حقیقی معرفت حاصل کر لی بیشک اس نے شب قدر کو درک کر لیا[2]۔ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف فرماتے ہیں: دختر رسول خدا فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا میرے لئے بہترین نمونہ عمل ہیں رسول نے حضرت علی علیہ السلام سے جناب فاطمہ (س) کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: فاطمہؑ اطاعت اور بندگی خدا میں میری بہترین مددگار ہیں[3]۔

ان کی اطاعت علی بھی کریں

رسول نے فرمایا: اے علی! فاطمہ تمہیں جس کام کے انجام دینے کے لئے کہیں تم اسے انجام دو، اس لئے کہ میں نے انھیں بعض چیزوں کا حکم دیا ہے جن کا حکم جبریل نے مجھے دیا تھا[4]۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: خدا کی قسم! فاطمہؑ نے کبھی بھی مجھے ناراض نہیں کیا اور کسی بھی کام میں میری نافرمانی نہیں کی اور جب بھی میں فاطمہؑ پر نظر ڈالتا میرے رنج و غم دور ہو جاتے تھے۔[5]

رسول خدا نے فرمایا: اے سلمان! بے شک پروردگار نے میری بیٹی فاطمہؑ کے دل، اعضاء و جوارح کو ایمان و یقین سے پر کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اطاعت و عبادت خدا میں اتنی زیادہ کوشاں رہتی ہیں[6]

رسول اکرم فرماتے ہیں: میری بیٹی کا نور، نورِ خدا سے ہے اور وہ زمین و آسمان سے افضل اور برتر ہے[7]۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: حمد و ثنائے پروردگار میں تسبیح فاطمہؑ سے برتر عبادت نہیں ہے[8]

---

[1] دلائل الامامۃ، ص ۸۲.

[2] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۵۶.

[3] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۷۱۱

[4] بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۴۸۴

[5] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۴۳۱

[6] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۶۴

[7] بحار الانوار، ج ۱۵ ص ۱۰

[8] فروع کافی، ج ۳، ص ۳۴۳

امام موسیٰ کاظم -فرماتے ہیں: فاطمہ زہراؑ نہایت صادق خاتون تھیں کہ ان کو شہید کر دیا گیا۔[1]

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: جناب فاطمہؑ نے اس قدر مشک سے پانی کھینچا کہ اس کے اثرات ہویدا تھے، اتنی چکی چلائی کہ ہاتھ میں چھالے پڑ گئے تھے۔ گھر میں اتنا زیادہ جھاڑو لگاتیں کہ کپڑے غبار آلود ہو جاتے، کھانے تیار کرنے کے لئے اتنی زیادہ آگ جلائی کہ کپڑے سیاہ اور دھوئیں سے آلودہ ہو گئے اور ان کاموں سے آپؑ کو کافی مشقت ہوئی[2]۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: بے شک فاطمہؑ ہمارے شیعوں کے چھوٹے بچوں کی تربیت اور پرورش کرتی ہیں[3]۔

فاطمہؑ کی سیرت میں مستقبل نگری پائی جاتی ہے آپ کا طرز زندگی، ہر دور کے حق پرستوں کے لئے پیروی کا نمونہ ہے۔ فاطمی تعلیمی انداز میں ہمیشہ حق گوئی اور مجاہدت کی تربیت پائی جاتی ہے جس سے باطل محاذ کو للکارا جاسکتا ہے۔

شیعہ ثقافت میں فاطمی ثقافت

شیعوں کے عقائد کے علاوہ ان کی زندگی کے روزمرہ میں بہت ساری چیزیں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے منسوب ہیں۔

مہر فاطمی: روایت کے مطابق امام محمد تقیؑ نے اپنی زوجہ کا مہر حضرت فاطمہ زہرا کے مہر ۵۰۰ درہم جتنا قرار دیا[4]۔ اس مقدار مہر کو "مہر السنۃ" بھی کہا جاتا ہے جو رسول خداؐ کی ازواج و اولاد کا مہر تھا[5]۔

یوم مادر: ایران میں حضرت فاطمہؑ کی ولادت کے دن یعنی ۲۰ جمادی الثانی یوم مادر (Mother Day) یا یوم خواتین کے عنوان سے منایا جاتا ہے۔ اس دن ایران میں لوگ اپنی ماؤں کو تحفے تحائف دے کر آپؑ کی ولادت کا جشن مناتے ہیں۔

محلہ بنی ہاشم کی علامتی تعمیر: ایام فاطمیہ کے ساتھ ساتھ محلہ بنی ہاشم، قبرستان بقیع اور حضرت فاطمہؑ کے گھر کی علامتی تعمیر قدیم ایام کی طرز پر شروع ہوتی ہے جسے دیکھنے کیلئے لوگ مقررہ مقامات کی طرف چلے آتے ہیں۔

بیٹیوں کے نام: شیعہ اپنی بیٹیوں کا نام فاطمہ رکھتے ہیں یا پھر حضرت زہراؑ کے القابات میں سے کسی لقب کو نام کے طور پر چنتے ہیں اور ایران میں حالیہ سالوں کے دوران بیٹیوں کے ناموں میں "فاطمہ" اور "زہرا" کا شمار پہلے دس ناموں میں ہوتا ہے۔ ہندوستان اور

---

[1] اصول کافی، ج۱، ص ۸۵۴

[2] علل الشرائع، ج۲، ص ۶۶۳.

[3] بحار الانوار، ج۶، ص ۹۲۲.

[4] سید بن طاووس، جمال الاسبوع، ۱۳۷۱ش، ص ۷۰ و ۹۳

[5] عالمی، اشعار فاطمہؑ، ج۳، ص ۱۱۰-۱۲۰.

دیگر شیعہ نشین علاقوں میں شہزادی کونین کے القاب پر رکھے جانے والے ناموں میں محدثہ، مرضیہ، طاہرہ، صابرہ، صدیقہ، عابدہ، زاہدہ، ناصرہ، انسیہ، حوری، راضیہ، زہرا، منصورہ، شامل ہیں جس میں شیعوں کے ساتھ برادران اہل سنت بھی اپنی بچیوں کو ان ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔

اولاد فاطمہؑ سے انتساب: شیعوں میں زیدیہ فرقہ اس بات کا معتقد ہے کہ امامت و رہبری صرف حضرت فاطمہؑ کی اولاد سے مخصوص ہے۔ اس بنا پر زیدیہ صرف اس شخص کو اپنا امام مانتے ہیں اور اس کی حکومت کو قبول کرتے ہیں جو آپؑ کی نسل سے ہو[1]۔ اسی طرح فاطمیون نے جب مصر میں اپنی حکومت قائم کی تو انہوں نے خود کو آپؑ کے نام سے موسوم کیا اور وہ اپنے آپ کو حضرت فاطمہؑ کی اولاد سے قرار دیتے ہیں[2]۔

اوقاف حضرت فاطمہ زہراؑ

شیعہ ثقافت میں جناب فاطمہ زہراؑ کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے جائدادوں کو وقف کرنے کا چلن اور رواج پایا جاتا ہے۔ جیسا کے محققین نے لکھا ہے کہ جناب فاطمہ زہراؑ کے سات باغ تھے جن کو آپ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب پر وقف کر دیا تھا۔

سید محسن امین کہتے ہیں: حضرت فاطمہ زہراؑ کے سات باغ تھے جن کو بنی ہاشم اور بنی مطلب پر وقف کر دیا اور حضرت علی علیہ السلام کو ان کا متولی قرار دیا اور امام علی علیہ السلام کے بعد امام حسن علیہ السلام کو اور امام حسن کے بعد امام حسین علیہ السلام کو اور اسی طرح ہر زمانہ میں آپ کی نسل سے ولد اکبر کو ان کا متولی اور ناظر قرار دیا۔

ثقۃ الاسلام علامہ **کلینی** علیہ الرحمہ حضرت امام صادق اور امام باقر علیہما السلام سے نقل کرتے ہیں کہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے درج ذیل باغوں کی وصیت کی: "**العوان، الدلال، البرقة، المثبب، الحسنی، الصافیة، ومالامّ ابراهیم۔**"

فاطمی ثقافت کی میراث

حضرت فاطمہؑ کی عبادی، سیاسی و اجتماعی زندگی اور آپؑ کے اقوال کو قیمتی معنوی میراث کی طرح تمام مسلمان اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنے لئے نمونہ عمل قرار دیتے ہیں اور اسلامی آثار میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مصحف فاطمہ، خطبہ فدکیہ، تسبیحات اور نماز حضرت زہراؑ اس معنوی میراث میں سے ہیں۔

---

[1] رصاص، مصباح العلوم، ۱۹۹۹م، ص ۲۳-۲۴۔

[2] ربانی گلپایگانی، علی، فاطمیان و قرامطہ، پایگاہ اطلاع رسانی حوزہ، تاریخ انتشار: ۴-۵-۱۳۸۵، تاریخ بازدید: ۰۶-۱۲-۱۳۹۵

روایات: آپؑ سے منقول احادیث اس معنوی میراث کا اہم حصہ ہیں۔ یہ احادیث محتوی کے اعتبار سے متنوع ہیں جو اعتقادی، فقہی، اخلاقی اور اجتماعی موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ان احادیث میں سے بعض شیعہ و اہل سنت حدیثی مصادر میں مذکور ہیں جبکہ آپؑ کی اکثر احادیث مسنَد فاطمہ اور اخبار فاطمہ کے نام سے مستقل کتابوں کی شکل میں شائع ہوئی ہیں۔ ان مسانید میں سے بعض مرور زمان کے ساتھ مفقود ہوگئیں اور علم رجال و تراجم کی کتابوں میں ان راویوں اور مصنفین کے صرف نام مذکور ہیں۔

فاطمی ثقافت اور مصحف فاطمی

مصحف فاطمہ ایک کتاب ہے جس میں فرشتہ الہی کے ذریعہ آپ پر القاء ہونے والے الہامات بھی شامل ہیں جنہیں امام علیؑ نے تحریر فرمایا ہے۔ روایات کے مطابق صحیفہ فاطمہ ائمہ سے منتقل ہوتے ہوئے اس وقت امام زمانہ (عج) کے پاس ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ شیعہ ثقافت میں تعلیمات مصحف فاطمی کا کافی دخل ہے۔ ہر دور میں شیعہ حضرت فاطمہؑ کو اپنے لئے نمونہ عمل قرار دیتے ہیں اور آپ کی سیرت شیعہ ثقافت اور شیعوں کی زندگی میں جاری و ساری ہے۔

خطبہ فدکیہ: حضرت فاطمہؑ کے مشہور خطبات میں سے ایک ہے جسے آپ نے واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ اور باغ فدک کے غصب کے بارے میں مسجد نبوی میں صحابہ کے بھرے مجمع میں ارشاد فرمایا۔ اس خطبے کی اب تک کئی شرحیں لکھی جاچکی ہیں جن میں سے اکثر کا نام "حضرت زہراؑ کے خطبے کی شرح" یا "شرح خطبہ لُمّہ" (خطبہ فدکیہ کا دوسرا نام) ہے۔

تسبیح حضرت زہراؑ: اس سے مراد وہ مشہور ذکر ہے جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت زہراؑ کو تعلیم دیا جس سے حضرت فاطمہؑ بیحد خوش ہوئیں۔ شیعہ اور اہل سنت مصادر میں حضرت زہراؑ کو رسول اکرمؐ کی طرف سے اس تسبیح کی تعلیم دینے کے حوالے سے مختلف مطالب مذکور ہیں اور کہا جاتا ہے کہ امام علیؑ نے اس ذکر کے سننے کے بعد کسی بھی صورت میں اسے ترک نہیں فرمایا۔

نماز حضرت زہرا: سے مراد وہ نمازیں ہیں جنہیں حضرت فاطمہؑ نے آنحضرتؐ یا جبرئیل سے دریافت فرمایا۔ بعض حدیثی مصادر اور دعاؤں کی کتابوں میں ان نمازوں کی طرف اشارے ملتے ہیں۔

حضرت زہرا سے منسوب اشعار: مصادر میں موجود بعض اشعار حضرت فاطمہؑ سے منسوب ہیں جنہیں تاریخی اور حدیثی مصادر میں ذکر کیا گیا ہے۔ تاریخی حوالے سے یہ اشعار دو ادوار، پیغمبر اکرمؐ کی رحلت سے پہلے اور آپؐ کی رحلت کے بعد کے دور سے مربوط ہیں۔

فریقین کی نگاہوں میں

حضرت زہرا سلام اللہ کی شخصیت کا عبادی پہلو

ڈاکٹر شازیہ مھدی

انسان کی روحانی زندگی میں رول ماڈل، اور رہنما ہمیشہ انسان کی شخصیت کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس میدان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو رحمت اور مہربانی کی ہے اس کے مطابق اس نے انبیاء اور معصومین علیھم السّلام کو انسانی ہدایت کے آئینہ کے طور پر پیش کیا تاکہ تخلیق کا اصل مقصد جو کہ عبادت اور توحید ہے، حاصل ہو سکے۔ عقل و فطرت کے مطابق ان کی پاکیزہ تعلیمات سے مستفید ہوئے بغیر اس راہ پر چلنا ممکن نہیں۔ قرآن و احادیث کے مطابق انبیاء و ائمہ علیھم السّلام سب سے خاص نشانی اور بہترین نمونہ عمل ہیں شیعہ اور سنی کی روایات بالخصوص ائمہ معصومین علیہم السلام کے بیانات کے مطابق حضرت زہرا سلام اللہ علیہا وہ ہستی ہیں، جو سب سے نمایاں ہدایت انسانی کے لئے مشعل راہ ہیں

امام مھدی علیہ السلام کی ذات والا مقام وہ ہے جس پر تمام مسلمین کا اتفاق ہے اور سب ان کی آمد کے منتظر ہیں وہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: وفِي ابْنَةِ رَسُولِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ خدا کے رسول کی بیٹی میرے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔"

خود آپ کے والد گرامی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تمام مسلمانوں کے آخری نبی ہیں آپؑ کے متعلق ان کا ارشاد گرامی ہے: سيّدَةُ نِساءِ أَهْلِ الجَنَّةِ فاطِمة۔ جنت کی تمام عورتوں کی سرور و سردار فاطمہ ہیں۔[۲]

اگرچہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی کا ایک اہم حصہ پوشیدہ رہا ہے اور اس پر کم توجہ اور تحقیق ہوئی ہے۔ لیکن پھر بھی بہت سے شیعہ اور اہل سنت کے مفکرین اور مصنفین نے کئی تاریخی واقعات نقل کیے ہیں اور آپؑ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اسلامی مآخذ میں درج کیا ہے خصوصاً آیات اور احادیث کی روشنی میں تحقیق کی ہے۔

حضرت زہراؑ دنیا کے تمام لوگوں کے لیے بہترین نمونہ عمل ہیں۔ آپؑ کائنات کی اعلیٰ ترین خاتون ہونے کے ناطے اعلیٰ شخصیت اور اخلاقی صفات کی حامل تھیں جس کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی توجہ کا مرکز تھیں۔

---

[۱]: بحار الانوار، محمد باقر مجلسی، مؤسسہ الوفاء، بیروت، ج ۵۳، ص ۱۸۰

[۲]: کنز العمال ج ۱۳ ص ۹۴، البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۶۱

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے معاشرتی زندگی میں بہت سی کوششیں اور کاوشیں دکھائیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔ ہمسر داری، تربیت اولاد، ولایت کا دفاع، عبادت و بندگی پروردگار وغیرہ۔ خاتون جنت نے ان تمام پہلو کو بہترین انداز میں نبھایا اور تمام عالم بشریت کے لیے بہترین نمونہ عمل بن گئی۔

ان ہی میں سے ایک عبادت اور بندگی کا پہلو بھی ہے جس کو نبھانے میں آپؑ نے اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کیا۔ آپؑ کی اس عبادی شخصیت میں خلوص، عاجزی و انکساری، حضور قلب، دعا و اذکار، تلاوت و تدبّر قرآن وغیرہ کے بارے میں فریقین سے متعلق مفکروں اور محدثوں کی طرف سے متعدد احادیث بیان ہوے ہیں۔ آپ روزوں اور عبادت و ریاضت کا بہت شوق رکھتی تھیں کئی بار ایسا ہوا کہ آپ نے پوری رات نماز پڑھتے ہوئے گزار دی۔ مولانا محمّد شہزاد قادری اپنی تالیف "خاتون جنت" میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام حسنؑ فرماتے ہیں: میں نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؑ کو دیکھا، آپ گھر کی مسجد کے محراب میں رات بھر نماز میں مشغول رہتیں، یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی[1]

خاتم النبیین حضرت محمّد ﷺ نے اپنی بیٹی کی فرمانبرداری اور بندگی کے مقام کے بارے میں یوں روایت کرتے ہیں: "هِيَ الْحَوْرَاءُ الْإِنْسِيَّةُ مَتَى قَامَتْ فِي مِحْرَابِهَا بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهَا جَلَّ جَلَالُهُ ظَهَرَ نُورُهَا لِمَلَائِكَةِ السَّمَاءِ كَمَا يَظْهَرُ نُورُ الْكَوَاكِبِ لِأَهْلِ الْأَرْضِ وَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِمَلَائِكَتِهِ يَا مَلَائِكَتِي انْظُرُوا إِلَى أَمَتِي فَاطِمَةَ سَيِّدَةِ إِمَائِي قَائِمَةً بَيْنَ يَدَيَّ تَرْتَعِدُ فَرَائِصُهَا مِنْ خِيفَتِي وَقَدْ أَقْبَلَتْ بِقَلْبِهَا عَلَى عِبَادَتِي."

فاطمہؑ انسانی شکل میں ایک جنتی حور ہیں۔ جب بھی وہ عبادت کیلئے اپنے رب کے سامنے کھڑی ہوتی ہے تو ان کا نور آسمان کے فرشتوں پر اس طرح چمکتا ہے جس طرح ستاروں کا نور زمین پر چمکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے: اے میرے فرشتو! یہ میری کنیز فاطمہ ہے جو میری کنیزوں میں سب سے اعلیٰ ہے، میرے سامنے کھڑی ہے اور اس کے جسم کے اعضاء میرے خوف سے کانپتے ہیں اور اس کا دل میری عبادت میں لگا ہوا ہے۔

یہ روایت عبادت و بندگی کے مقام اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے روحانی مقام کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ مقام اتنا بلند اور عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے الفاظ سے اس کی تعریف کرتا ہے۔ جناب فاطمہؑ اپنی عبادی زندگی سے بندگی کے آداب اور خالق کے سامنے سر تسلیم خم رہنے کا بہترین درس دیتی ہے۔ اس روایت کو مد نظر رکھتے ہوئے دوسری روایتوں میں جو اہل سنت کے منابع میں ہیں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے فضائل کے بارے میں بیان کی ہیں، ان میں ام المومنین عائشہ کی روایت ہے۔ رُوِيَ

[1]: خاتون جنت، ص ۷۷،۷۶

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: كُنْتُ أَسْلُكُ السِّلْكَ أَيْ أُدْخِلُ الْخَيْطَ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ فِي لَيْلَةٍ ظَلْمَاءَ مِنْ نُورِ وَجْهِ فَاطِمَةَ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا- فَلِذٰلِكَ سُمِّيَتْ زَهْرَاءَ[1].

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اندھیری رات میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چہرے کے نور سے سوئی دھاگا کرتی تھیں اور اسی لیے انہیں زہرا کہا جاتا تھا۔ بے شک حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اسی وجہ سے "زہرا" کے نام سے مشہور ہوئیں کہ جب وہ عبادت گاہ پر کھڑی ہوتی تھی تو ان کا نور آسمان کے فرشتوں پر چمکتا تھا۔ یعنی اسقدر وہ خدا کی رضایت اور بندگی میں محو ہوتی تھی کہ فرشتے بھی آپ کے نور سے مستفید ہوتے تھے۔

جناب فاطمہ سلام اللہ علیھا کی یہ بندگی اور عبادت آپؑ کے شوہر امیر المؤمنین علیہ السّلام کی نظر میں سب سے نمایاں ہے۔ جب امیر المومنین علی علیہ السّلام سے حضرت زہرا سلام اللہ علیھا کی خصوصیات کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس عظیم خاتون کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: فاطمہ خدا کی عبادت اور اطاعت میں بڑی مددگار ہے۔ (نعم العون فی طاعة الله) خدا کی اطاعت کے لئے بہترین مددگار ہے۔[2]

اپنی مختصر زندگی کے دوران، آپ نے خدا کی مرضی کے مطابق، تمام امور میں ایک مثالی خاتون کی تصویر کشی کی ہے اور انسانیت کے لئے ایک بہترین نمونہ بن گئی، آپؑ کی عبادت و بندگی میں خلوص ہی خلوص نظر آتا ہے کیونکہ جناب زہرا سلام اللہ علیھا اللہ کی بارگاہ میں اکثر یہ دعا کرتی تھی: اَللّٰهُمَّ إِنِّي اَسْئَلُكَ كَلِمَةَ الإخلاصِ[3]. ای میرے خدا، میں تجھ سے اخلاص کا کلمہ مانگتی ہوں۔"

خاتون جنت سلام اللہ اپنی دعاؤں میں کہتی ہے۔ (یا رب لیست من أحد غیرك تثلج بها صدری و تسر بها نفسی و تقر بها عینی)

اے خدا تیرے سوا کوئی میرے سینے کو کشادہ اور دل کو خوش نہیں کرتا۔ تیرے سوا کوئی میری آنکھوں کو روشنی نہیں دیتا۔[4]

امام حسن علیہ السّلام نے اپنی والدہ کی طویل رات کی عبادتوں اور شب بیداری کے بارے میں احادیث بیان کی ہے۔ رَأَيْتُ أُمِّي فَاطِمَةَ ع. قَامَتْ فِي مِحْرَابِهَا لَيْلَةَ جُمُعَتِهَا فَلَمْ تَزَلْ رَاكِعَةً سَاجِدَةً حَتَّى اتَّضَحَ عَمُودُ الصُّبْحِ وَ

---

[1]: تحفة الحبیب علی الشرح الخطیب، البجیرمی، جلد۱، ص ۳۴۰

[2]: مجلسی ۱۴۰۴، ج ۴۳، ص ۱۱۷

[3]: حر عاملی، ۱۳۸۷، ج ۹۱، ص ۲۲۵

[4]: قیومی، ۱۳۷۴، ص ۴۷

سَمِعْتُهَا تَدْعُو لِلْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ وَتُسَمِّيهِمْ وَ تُكْثِرُ الدُّعَاءَ لَهُمْ وَلَا تَدْعُو لِنَفْسِهَا بِشَيْءٍ فَقُلْتُ لَهَا يَا أُمَّاهْ لِمَ لَا تَدْعِينَ لِنَفْسِكِ كَمَا تَدْعِينَ لِغَيْرِكِ "قَالَتْ يَا بُنَيَّ الْجَارَ ثُمَ الدَّار۔[1]

حضرت امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی ماں زہراؑ کو دعا اور مناجات میں مشغول دیکھا کہ آپ ہمسایوں کے لئے دعا کرتی ہیں اور ان کے لئے خیر، سعادت اور ہدایت کی خواہاں ہیں۔ میں نے سوال کیا اے اماں جان! آپ نے ہمارے لئے دعا نہیں کی، بلکہ دعا پڑوسیوں کے لئے تھی، جناب زہراؑ نے جواب دیا: يَا بُنَيَّ الْجَارَ ثُمَ الدَّار۔ تمام عبادات میں سے جس چیز نے تاریخ کے اوراق کو ایک منفرد نمود و زینت بخشی ہے وہ اس بزرگ خاتون کی عبادات ہیں جو اپنی جوانی کے عروج پر ہی عقیدت مندوں کے لیے باعث فخر بنی۔ یہ بے مثال عبادت گزار وہ ہے جس کی عبادت یوں بیان کی گئی ہے: وہ عبادت کے لیے اس حد تک کھڑا ہوتی کہ پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ مَا كَانَ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ أَعْبَدُ مِنْ فَاطِمَةَ كَانَتْ تَقُومُ حَتَّى تَوَرَّمَ قَدَمَاهَا[2]

حسن بصری جو عالم اسلام کے زاہدوں اور عالموں میں سے ہیں، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بارے میں فرماتے ہیں فاطمہ سے بڑھ کر کوئی پرہیز گار نہیں ہے، وہ نماز میں اس قدر کھڑی ہو جاتی تھی کہ ان کے پاؤں ورم کر جاتے تھے۔

خدا کی بارگاہ میں مکمل انکساری و عاجزی کا اظہار کرنا عبادت کہلاتا ہے۔ معصومین علیہم السلام کے ارشادات کی روشنی میں بندگی کا مفہوم خدا کو مالک و حاکم ماننا، اس پر کامل بھروسہ اور سر تسلیم خم کرنا اور اس کی مرضی کی پیروی کرنا ہے اسی لیے خدا کی محبت میں جناب زہرا سلام اللہ علیہا کو نماز سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں تھی۔ اس لیے آپ اپنی زندگی میں تمام کوششوں سے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر عبادت کے خاص اوقات کا خیال رکھا۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے گھر میں عبادت کے لئے ایک خاص خاص جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ عام طور پر آپ جب بھی عبادت کا ارادہ کرتیں اسی محراب عبادت میں چلی جاتی۔

آپ اپنے قلب کو کلام پاک کی تلاوت سے منوّر اور مزیّن کرتی تھی۔ آپ کا ارشاد ہے: حُبِّبَ إِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ تِلَاوَةُ كِتَابِ اللهِ وَ النَّظَرُ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللهِ وَ الإِنْفَاقُ فِي سَبِيلِ اللهِ مجھے تیری دنیا میں سے تین چیزیں پسند ہیں: خدا کی کتاب (قرآن) کی تلاوت کرنا، رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو دیکھنا اور خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔[3]

---

[1]: علل الشرایع، ج. ۱، ص. ۱۸۲– خاتون جنت، ص ۹۳

[2]: مناقب آل أبی طالب علیہم السلام، ابن شہر آشوب مازندرانی ج ۳ ص ۳۴۱.

[3]: وقایع الایام، ملا علی آقا خیابانی واعظ تبریزی، کتابفروشی اسلامیہ، تہران، چاپ اول، ۱۳۵۴ش، ج صیام، ص ۲۹۵

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا قرآن سے بے حد مانوس تھیں۔ جناب سلمانؓ کہتے ہیں: "قال بعث رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم سلمان الى فاطمة قال فوقفت بالباب وقفة حتى سلمت فسمعت فاطمة تقرا القرآن من جو والرحى تدور من بر وما عندها انيس-----"

رسول اللہ ﷺ نے مجھے فاطمہ کے گھر کسی کام کے لیے بھیجا تھا۔ جب میں گھر کے دروازے پر پہنچا تو میں نے زہرا سلام اللہ علیہا کی آواز سنی جو گھر کے اندر قرآن کی تلاوت کر رہی تھیں اور سلمان بیان کرتے ہیں کہ جب میں زہرا کے گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ قرآن پڑھ رہی ہیں۔ جب وہ اپنے گھر کا کام اور چکّی پیسنے میں مصروف تھی۔[1]

مولا علی علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ جناب سیّدہ کھانا پکانے کی حالت میں بھی تلاوت قرآن کو جاری رکھتیں تھی۔[2]

جناب زہرا سلام اللہ علیہا نے اللہ کی عبادت اور بندگی میں بھی اپنے والد گرامی حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ کو اپنایا "ہمسر پیامبر عائشہ بنت ابی بکر سے مروی ہے

عن عائشة أم المؤمنين، قالت: ما رأيت أحدا أشبه سمتا ودلا وهديا برسول الله في قيامها وقعودها من فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم "[3] میں نے فاطمہ بنت نبی ﷺ سے بڑھ کر کسی کو عادات و اطوار، سیرت و کردار اور نشست و برخاست میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت رکھنے والا نہیں دیکھا۔

اگر ہمیں اپنے آپ اور اپنے معاشرے کو فحشات اور منکرات سے محفوظ رکھنا ہے تو صدیقہ طاہرہ، عابدہ و مرضیہ، جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے کردار کو اپنانے کی ضرورت ہیں۔

---

[1]: بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۴۶

[2]: خاتون جنت، ص ۹۲

[3]: سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل فاطمۃ رضی اللہ عنہا، رقم الحدیث: ۳۸۷۲، ج: ۶ ص ۱۸۳

امام ہادی علیہ السلام کی سیرت میں انسان کامل

سید محمد مجتبیٰ علی رضوی، کلکتوی

حضرت امام علی بن محمد الہادی علیہ السلام کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، بلکہ اسلامی تاریخ سے آشنائی رکھنے والے اکثر افراد آپ کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہوں گے آپ سلسلہ امامت کی دسویں کڑی ہیں اور جانشین رسول برحق ہیں امام محمد تقی علیہ السلام کی شہادت کے بعد بہت کمسنی کے عالم میں امامت اور ہدایت امت کی ایک بڑی ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر آئی جسے آپ نے تمام مشکلات کو برداشت کرتے ہوئے بخوبی انجام دیا۔

تمام ائمہ معصومین کا تعلق ایک ہی معدن یعنی معدن رسالت سے تھا اور ایسے درخت سے تعلق تھا کہ جس کی جڑیں نبوت کے گھر میں راسخ ہیں اور اس کی شاخیں امامت کی شکل میں ظاہر ہیں جو ہمہ وقت انسانیت کی ہدایت اور اس کے رشد کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ امام علی نقی علیہ السلام اسی سلسلہ ہدایت کی ایک کڑی ہیں جو آسمان سے متصل ہے۔

انسان کامل

انسان بھی مختلف طرح کے ہوتے ہیں اور اسلام کی نظر میں مختلف زاویوں سے انسان کی مختلف قسمیں کی جاتی ہیں پہلے مرحلے میں انسان کی دو قسم یوں ہوتی ہے کہ اچھے انسان اور برے انسان، پھر اچھے انسانوں میں بھی کچھ اچھے تو ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں بہت سی خامیاں اور نقائص ہوتے ہیں، اسی طرح ان نقائص کی کمی اور صفات حسنہ کی بہتات سے انسانوں کے درجہ مختلف ہوتے ہوئے کچھ بہت اچھے اور قابل اقتداء ہوتے ہیں جنہیں انسان کامل کہا جاتا ہے۔[1] ویسے اگر انسان کامل کی بات کی جائے تو اس کا سب سے بہترین اور کامل و اتم مصداق حضرات معصومین علیہم السلام ہیں جن میں بھی سرکار ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ کی شخصیت سب میں نمایاں ہے۔ اور آپ کے بعد دوسرے ائمہ معصومین انسان کامل کا بہترین مصداق ہیں۔ جن کی ایک کڑی امام علی نقی ہادی علیہ السلام ہیں۔

بقیہ افراد انسان کامل کے جتنے بھی اعلی درجہ کو پہنچیں وہ انسان کامل کے دوسرے درجہ میں ہی آئیں گے کیوں کہ پہلے درجہ میں حضرات معصومین علیہم السلام ہیں جہاں تک بشر کی پہنچ ممکن نہیں ہے لیکن ہم کوشش کر کے اس کے دوسرے درجہ یا اہل بیتؑ سے قریب تر درجات میں تو پہنچ سکتے ہیں۔ کم سے کم ان کی پیروی کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر تو چل سکتے ہیں۔ جہاں سے انسان کامل کی زیادہ سے زیادہ صفتیں ہم اپنے اندر یکجا کر سکیں۔

---

[1] انسان کامل، استاد شہید مرتضی مطہری ص ۱۱۔ ۱۲

اس راستہ کے لئے ہمیں ائمہ معصومینؑ کی احادیث اور پیغامات کو دیکھنے کی ضرورت ہے جہاں مومن اور اچھے انسان کی خصوصیات بیان ہوئی ہیں جن کو عمل میں لاکر ہم انسان کامل کے مراحل طے کر سکتے ہیں۔ چنانچہ احادیث معصومینؑ میں مومنوں کی صفت، اچھے انسان کی صفت، شیعوں کے اوصاف بیان ہوئے ہیں جو خود ہمارے لئے مشعل راہ ہیں اور جن کی پیروی ہمیں کمال کی منزلوں تک پہنچاتی ہے۔

لہذا یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ائمہ معصومینؑ نے جو مومن کی صفات، شیعوں میں صفات یا اچھے انسان کی صفات بیان کیں ہیں ان صفات کا حامل بھی انسان کامل ہوسکتا ہے ۔ لہذا اس مضمون میں ہم امام ہادی علیہ السلام کے بیانات کی روشنی میں انسان کامل پر روشنی ڈالتے ہیں۔

انسان کامل امام ہادیؑ کی احادیث کی روشنی میں

حضرت امام ہادیؑ نے جو انسانوں کو خاص کر مومنوں کو نصائح کئے ہیں یقیناً ان پر عمل پیرا ہونے والا انسان، انسان کامل کا مصداق ہو سکتا ہے۔ ہم اہل بیت علیہم السلام خاص کر امام ہادیؑ کی پیروی کرتے ہوئے آپؑ کے بیانات کی روشنی میں اپنے لئے انسان کامل کا ایک خاکہ بنا کر اس پر عمل کریں تو ہم اس درجہ کمال تک پہنچ سکتے ہیں۔ آپؑ کے نقش قدم پر چل چلتے ہوئے اس راہ کے راہی ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ امامؑ فرماتے ہیں: "من رضی عن نفسه کثر الساخطون علیه"[1] جو شخص خود اپنی ذات سے خوش رہے گا اس سے ناراض ہونے والے زیادہ ہوں گے۔ لہذا اچھا انسان وہ ہے جو ہر وقت خود اپنا محاسبہ کرتا رہے اور غلطیاں اور خامیاں ہونے کی صورت میں ان کو سنوارتا رہے اور کسی بھی لمحہ کسی بھی مرحلۂ حیات میں خود پر اور اپنے اعمال پر غرور و تکبر نہ کرے۔ بلکہ اعمال کی بہتری اور کردار سازی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے ایسا کرنا انسان کو انسان کامل بنا سکتا ہے۔

امام ہادیؑ انسان کی صفات کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: "المصیبة للصابر واحدة وللفجار اثنان"[2] صبر کرنے والے کی مصیبت اکہری ہوتی ہے اور فریاد کرنے والے کی دوہری۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ جس پر کوئی مصیبت پڑی ہو یا برا وقت ہو اس وقت انسان اگر خاموش رہے اور اپنی پریشانیوں کا برملا ذکر نہ کرے اور ہر جگہ اپنے برے حالات کا شکوہ نہ کرے تو ایسا انسان یقیناً اجر کا مستحق ہوتا ہے لیکن اگر وہی انسان برے اور مشکل حالات میں ہر جگہ اپنی مصیبت کا ذکر کیا کرے گا تو ایک تو سب کو معلوم ہو جائے گا اور لوگوں کی نظر میں اس کی اہمیت کم ہو جائے گی اور دوسرے کے وہ کسی بھی اجر کا مستحق بھی نہ ہوگا، سوائے مصیبت

---

[1] بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۲۱۵

[2] بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۳۶۹

کے اجر کے اس لئے وہاں اجر کی بھی کمی ہو جائے گی اور دنیا میں کوئی اس کی مدد بھی نہیں کرے گا۔ مصیبت برداشت کرنے سے اجر ملتا ہے اور کابر ملا اظہار کرنے سے نہیں ملتا ہے۔

انسان کامل امام ہادیؑ کی سیرت کی روشنی میں

امام ہادیؑ کی سیرت کے ذریعہ انسان کامل کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم امام کے اوصاف اور خصوصیات کو درک کریں اور ان کی روشنی میں اس نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کریں کہ انسان کامل کیسا ہونا چاہیئے، لہذا یہاں مناسب ہے کہ امام ہادیؑ کی کچھ خصوصیات کا مختصر تذکرہ کیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ ہم اپنے مدعا تک پہنچ سکیں۔ انسان کامل کی صفتوں میں سے کچھ اوصاف کو یہاں بیان کیا جارہا ہے تاکہ نتیجہ حاصل ہو سکے اور اپنی بات مکمل کی جاسکے چنانچہ امام ہادیؑ کی حیات طیبہ سے چند نقوش عصمت پیش کئے جارہے ہیں۔

امامؑ کا جود و کرم

جود و کرم کے لئے امام کا دست مبارک ہمیشہ کھلا رہتا تھا سخاوت کے میدان میں بھی کوئی آپؑ کے برابر نہ تھا، مورخین نے امام علی ہادیؑ کے جود و کرم اور فقراء و مساکین کے ساتھ احسان کے بیشمار واقعات نقل کئے ہیں. یہاں ہم صرف ایک نمونہ پیش کر رہے ہیں۔

چند نامور شیعوں کے ساتھ احمد بن اسحاق اشعری، اور علی بن جعفر بھی امام ہادیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض سلام و ادب کے بعد انہوں نے اپنے قرض کے سلسلہ میں امام کی خدمت میں شکایت کی امام نے اپنے وکیل سے فرمایا کہ احمد بن اسحاق کو تیس ہزار دینار دے دو۔

پھر علی بن جعفر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ انہیں بھی تیس ہزار دینار دے دو جیسا کہ وکیل نے دونوں حضرات کو مذکورہ رقم دے دی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد ابن شہر آشوب حاشیہ لگاتے ہیں کہ یہ سخاوت کا معجزہ ہے ایسی سخاوت تو صرف بادشاہوں کے لئے ممکن ہے ہم نے ایسی عطا کے بارے میں سنا ہی نہیں۔[1]

اس طرح کی جود و سخا کردار کی بلندی اور عظیم شخصیت کی ترجمانی کرتی ہے۔ ایسی مثالیں دنیا میں بہت ہی کم دیکھنے میں آتی ہیں ایسی سخا، یا تو نیک دل بادشاہوں کے ذریعہ انجام پاتی ہے یا پھر امام معصوم جیسی اعلی اور الٰہی شخصیتوں کے ذریعہ ہے ممکن ہے۔

امامؑ کا زہد

امام نے زندگانی دنیا کی عیش و آسائش کو خیرباد کہہ رکھا تھا اور آپؑ حد درجہ زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور آپؑ کی زندگی میں کسی بھی رخ سے راحت دنیا سے کوئی سروکار نہیں تھا بلکہ آپؑ ہمیشہ اطاعت الٰہی کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے۔ اس کی ایک مثال

---

[1] ۔ المناقب، لابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۴۰۹

یہ ہے کہ آپ کے بیت الشرف میں مال دنیا میں سے آرام و آسائش کا کوئی سامان نہیں ہوا کرتا تھا، جب بھی حکومت وقت کی طرف سے آپ کے بیت الشرف کی تلاشی لی گئی تو ان کو کوئی بھی خاص چیز نہیں ملی۔[1]

جب گھر میں زندگی گزارنے کا کوئی سامان نہیں ہوگا تو پھر دنیاوی لگاؤ بھی نہیں ہوگا زہد کی ایک بہترین مثال ہے کہ دنیا سے جتنا دور رہا جائے اتنا ہی انسان کمال کے درجوں کو طے کرتا ہے۔ انسان کامل کی یہی پہچان ہوتی ہے کہ وہ اپنی حقیقی زندگی کی طرف ہمہ وقت متوجہ رہتا ہے اور اسی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتا ہے اور کسی چیز کو بھی خاطر میں نہیں لاتا ہے۔

لوگوں کی ہدایت:

امام کی پوری کوشش یہی ہوتی تھی کہ راہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں کی ہدایت کریں اور ہمیشہ لوگوں کی ہدایت اور ان کو راہ راست پر لانے کی کوششوں میں سرگرم رہے ہیں، یوں تو آپ کے ذریعہ ہدایت پانے والوں میں بہت لوگ ہیں لیکن ان میں ایک نمایاں نام "ابو الحسن البصری" کا ہے جو واقفی مذہب سے وابستہ تھے یعنی امام موسی کاظم علیہ السلام کو اپنا آخری امام مانتے تھے اور آپؑ کے بعد کسی بھی امام کی امامت کے قائل نہیں تھے ایک دن امام سے ملاقات ہوئی تو امام نے ان سے یہ فرمایا "الی متی هذه النومة؟ ما آن لك ان تنبه منها ؟" آخر یہ غفلت کب تک؟ کیا ابھی بھی خواب غفلت سے بیدار ہونے کا وقت نہیں آیا؟ امام کا یہ جملہ اگرچہ مختصر تھا لیکن چونکہ مخلصانہ تھا اس لئے ابو الحسن بصری کے دل میں اتر گیا اور وہ ہدایت پا کر امام کی جانب واپس آگئے اور امامت کے قائل ہو گئے۔[2] امام نے ہدایت کا جو ذمہ لیا تھا وہ بقیہ ائمہ کی طرح مکمل طور پر ادا کیا اور ہدایت میں اس چیز کو سب سے آگے رکھا کہ کس کی کیسے تربیت کرنا ہے کس کو کیسے راہ راست پر لانا ہے ظاہری بات ہے کہ سب کی ہدایت ایک طرح سے نہیں ہو سکتی بلکہ ظرف کے اعتبار سے اصلاح اور ہدایت ممکن تھی لہذا امام نے ضرورت کے حساب سے ہی سب کی ہدایت کی۔ جو ایک مثال ہے ہمارے لئے کہ اگر ہم لوگوں کی ہدایت کر رہے ہیں تو ہمیں ہر لحاظ سے غور و فکر اور معاشرہ اور افراد کی کے حساب سے کام کرنے کی ضرورت ہے، جو ایک انسان کامل کے لئے ضروری نکتہ ہے جو سماج میں اپنا اعتبار بنانے اور لوگوں کی ہدایت کرنے کے لئے ضروری ہے۔

کسب معاش

امام اپنے گھر کے اخراجات اور حصول معاش کے لئے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی زمین میں کام کیا کرتے تھے علی بن حمزہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایک دن ابو الحسن الثالث کو کھیت میں کام کرتے دیکھا آپ کے قدم پسینے سے تر تھے میں نے عرض کی آقا میری جان قربان خدمت گذار کیا ہوئے؟ امام نے فرمایا؟ "یا علی قد عمل بالمسحاۃ من هو خیر منی و من ابی فی

---

[1] تاریخ و سیرت معصومین، ج ۲، ص ۲۵۷

[2] تاریخ و سیرت معصومین، ج ۲، ص ۲۵۹

ارضه "اے علی بلیچہ سے تو ان لوگوں نے بھی کام کیا ہے جو زمین پر مجھ سے اور میرے پدر سے بہتر تھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپؑ سے اور آپؑ کے پدر سے بہتر کون ہے؟

امام نے فرمایا: " **رسول الله و امیر المومنین و آبائی کلهم عملوا بایدیهم و هو من عمل النبیین و المرسلین و الاوصیاء والصالحین** " رسول خدا، امیر المومنین علیہما السلام، اور میرے آباء و اجداد سب اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھے کام کرنا انبیاء مرسلین اور اولیاء صالحین کی سنت ہے۔[1]

امام کے خود کھیت میں کام کرنے اور اس گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کو اپنا کام خود سے انجام دینا چاہیئے اور کسب معاش اور محنت و مشقت کرنا یہ انبیاء و مرسلین کی سیرت اور اوصیاء الہی کا طریق کار رہا ہے، لیکن عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ جہاں انسان کچھ بڑا ہوتا ہے یا کسی مقام و مرتبہ تک پہنچتا ہے تو وہ خود کو سب سے بڑا سمجھتے ہوئے اپنے ہر کام کے لئے دوسروں پر منحصر ہو جاتا ہے اور خود کوئی کام نہیں کرتا امام کی یہ سیرت ہم سب کے لئے نمونہ عمل ہے کہ ہم چاہے جتنے بھی بڑے ہو جائیں ہمیں ائمہ کی سیرت اور ان کی عملی زندگی کی پیروی کرتے ہوئے اسے اپنی زندگی میں جامہ عمل پہنانا ضروری ہے یہی انسان کامل کی ایک صفت ہے جو ضروری اوصاف میں سے ہے۔

نتیجہ کلام

امام کی عملی زندگی اور امام کے فرمودات کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ انسان کامل کی کیا کیا صفات ہوتی ہیں اور انسان کامل کیسا ہوتا ہے۔ خود امام ہادیؑ بھی اپنے آباء و اجدا کی طرح انسان کامل کا بہترین اور اولین مصداق ہیں اور آپ کی سیرت کی پیروی کرتے ہوئے ہم بھی اس راہ کے راہی ہو سکتے ہیں، یقیناً ہم انسان کامل کے اس درجہ تک تو نہیں پہنچ سکتے جہاں ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں لیکن ان کی پیروری کرتے ہوئے ہم اس راہ میں کچھ تو آگے بڑھ سکتے ہیں اور اپنی زندگی کو سنوار سکتے ہیں۔

[1] تاریخ و سیرت معصومین، ج ۲، ص ۲۵۸

صحیفہ سجادیہ اور اولاد کی تعلیم و تربیت

سید منظور عالم جعفری سرسوی

مقدمہ:

«اولاد» خداوند عالم کا ایک انمول تحفہ ہے۔ قرآن کریم میں «اولاد» کو ایک نعمت الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربّ العزت ہو رہا ہے:

﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ﴾[1]، اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارا جوڑا بنایا ہے پھر اس جوڑے سے اولاد قرار دی ہے اور سب کو پاکیزہ رزق دیا ہے۔

قدرت کی عطا کردہ اس نعمت کی قدر و قیمت کا اندازہ صرف وہ لوگ لگا سکتے ہیں جو اس دنیا میں اس نعمت سے محروم ہیں۔ سورہ کہف میں اولاد کو خداوند عالم نے زندگانی دنیا کی زینت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾[2]، مال اور اولاد زندگانی دنیا کی زینت ہیں۔

قرآن و احادیث میں اولاد پیدا کرنے کو ایک اچھا عمل، اور کثرت اولاد کو پیغمبر اکرم ﷺ کا دوسری قوموں پر فخر و مباہات کرنے کی بنیاد سمجھا گیا ہے، لہذا آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَنَاكَحُوا تَنَاسَلُوا تَكْثُرُوا فَإِنِّي أُبَاهِي بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَوْ بِالسِّقْطِ»[3] شادی کرو اور جماع کرو اور کثرت سے اولاد پیدا کرو، بیشک میں تمہاری کثرت اولاد پر قیامت کے دن اقوام عالم کے سامنے تم پر فخر کروں گا، خواہ تمہارا وہ بچہ ساقط کیوں نہ ہوا ہو۔

اسلام میں جہاں کثرت اولاد کی تشویق کی گئی ہے وہیں قرآن و روایات میں رزق کے خوف سے اولاد کو قتل کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد پروردگار ہو رہا ہے:

---

[1] - سورہ نحل آیت ۷۲۔

[2] - سورہ کہف آیت ۴۶۔

[3] - جامع الأخبار، جلد ۱، ص ۱۰۱، حدیث ۳۱۲۵۸۹۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا﴾[1]، اور خبردار اپنی اولاد کو فاقہ کے خوف سے قتل نہ کرنا کہ ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی رزق دیتے ہیں بیشک ان کا قتل کر دینا بہت بڑا گناہ ہے۔

کثرت اولاد کے حوالہ سے بکر بن صالح نے امام رضا علیہ السلام کو خط لکھا: «إني اجتنبت طلب الولد منذ خمس سنين، وذلك أن أهلي كرهت ذلك، وقالت: انه يشتد على تربيتهم لقلة الشئ، فما ترى؟ فكتب إلي: طلب الولد فان الله يرزقهم»[2] میں پانچ سال پہلے سے اولاد پیدا کرنے سے اجتناب کرتا ہوں۔ کیونکہ میری بیوی بچے پیدا کرنا پسند نہیں کرتی اور کہتی ہے: چونکہ ہماری اچھی آمدنی نہیں ہے، اس لیے ان کی پرورش کرنا میرے لیے مشکل ہے۔ تو اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ امام علیہ السلام نے اسے لکھا: بچے پیدا کرو اور جان لو کہ خدا ان کو رزق دینے والا ہے۔

قرآن و حدیث کی رو سے والدین پر اولاد کے سلسلہ میں جو حقوق عائد ہوتے ہیں، ان میں سب سے اہم اور مقدم حق اُن کی تعلیم و تربیت ہے۔ اسلام عصری تعلیم کا ہرگز مخالف نہیں؛ لیکن دین کی بنیادی تعلیم کا حصول اور اسلام کے مبادیات وارکان کا جاننا ہر مسلمان کا فریضہ اور دینی ذمہ داری ہے، اور اسی پر اخروی فلاح و کامیابی کا دار و مدار بھی ہے۔ دور حاضر میں بچوں کی تربیت ایک چیلنج بن کر رہ گیا ہے، کیونکہ آج اگر دیکھا جائے تو بے شمار ڈگریاں لے کر بھی فرمانبرداری اور بڑوں کا ادب و احترام بچوں کو چھو کر بھی نہیں گزرا ہوتا۔ اگر ہم غور و فکر کریں تو بچوں کی نافرمانی کی اصل وجہ اُن کی تربیت کا فقدان ہے، لہذا ہمیں بچوں کی تربیت پر بھی اتنی ہی توجہ دینا چاہیے جتنی ہم ان کی اعلیٰ معیاری تعلیم حاصل کرنے پر دیتے ہیں۔

اگر کسی گھر میں والدین اور بچے ایک دوسرے کے تئیں اپنے فرائض سے واقف ہوں اور انہیں پورا کریں تو اس خانوادہ کے افراد کے درمیان کم مسائل اور مشکلات پیدا ہوں گی اور قدرتی طور پر ان کی زندگی خوشگوار ہوگی، امام سجاد علیہ السلام نے صحیفہ سجادیہ میں اولاد پر والدین کے اور والدین پر اولاد کے فرائض کے بارے میں اہم نکات بیان کئے ہیں۔ امام علیہ السلام کی ان سفارشات کو جاننے اور ان پر عمل کرنے سے لوگوں کی زندگیوں کے مسائل حل ہو جائیں گے، اس مقالہ میں ہم صحیفہ سجادیہ کی ۲۵ ویں دعا کی روشنی میں اولاد کی تعلیم و تربیت اور والدین پر ان کے حقوق کو بہت ہی اختصار سے بیان کریں گے۔

۱- نیک اور صالح اولاد کی دعا

---

[1] سورہ اسراء آیت ۳۱۔

[2] وسایل الشیعہ، ج ۱۵، ص ۹۹۔

نیک صالح اولاد یقیناً والدین کے لئے عطیہ الٰہی ہیں، کیونکہ زندگی میں تو والدین کو ان سے ہر طرح کا مادی اور معنوی فائدہ حاصل ہوتا ہی ہے مرنے کے بعد بھی ان سے فائدہ ملتا رہتا ہے۔ اس لئے مذہب اسلام نے اولاد کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ماں باپ کو بہت ہی زیادہ حساس رہنے کا حکم دیا ہے، ارشاد پروردگار ہو رہا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾[1]، اے ایمان والو اپنے نفس اور اپنے اہل کو اس آگ سے بچاؤ۔

لہذا ہمیں دیگر تدابیر کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کے نیک اور صالح ہونے کے لئے دعائیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ عمل سنتِ انبیاء و اہلبیت علیہم السلام ہے، امام زین العابدین علیہ السلام اولاد کے نیک اور صالح ہونے کے لیے اس طرح خدا سے درخواست فرماتے ہیں:

«وَاجْعَلْهُمْ أَبْرَاراً أَتْقِياءَ بُصَرَاءَ سَامِعِينَ مُطِيعِينَ لَكَ، وَ لِأَوْلِيائِكَ مُحِبِّينَ مُنَاصِحِينَ، وَ لِجَمِيعِ أَعْدَائِكَ مُعَانِدِينَ وَ مُبْغِضِينَ، آمِينَ»[2]، انہیں نیکو کار، پرہیز گار، روشن دل، حق نیوش اور اپنا فرمانبردار اور اپنے دوستوں کا دوست و خیر خواہ اور اپنے تمام دشمنوں کا دشمن و بد خواہ قرار دے۔ آمین۔

خداوند عالم بھی قرآن کریم میں اپنے نیک اور صالح بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾[3]، اور وہ لوگ برابر دعا کرتے رہتے ہیں کہ خدایا ہمیں ہماری ازواج اور اولاد کی طرف سے ٹھنڈی چشم عطا فرما اور ہمیں صاحبان تقویٰ کا پیشوا بنا دے۔

مولائے متقیان حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام ارشاد فرماتے ہیں:

«وَ اللَّهِ مَا سَأَلْتُ رَبِّي وَلَداً نَضِيرَ الْوَجْهِ وَلَا سَأَلْتُهُ وَلَداً حَسَنَ الْقَامَةِ وَلَكِنْ سَأَلْتُ رَبِّي وُلْداً مُطِيعِينَ لِلَّهِ خَائِفِينَ وَجِلِينَ مِنْهُ حَتَّى إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ وَ هُوَ مُطِيعٌ لِلَّهِ قَرَّتْ بِهِ عَيْنِي»[4]، خدا کی قسم! میں نے اپنے رب سے خوبصورت چہرے والا بچہ نہیں مانگا اور نہ ہی اچھے قد کا بچہ مانگا ہے۔ بلکہ میں نے خدا سے ایک ایسا بچہ مانگا جو خدا کی اطاعت کرے، اور اس سے ڈرنے والا ہو، تاکہ جب بھی میں اسے خدا کی اطاعت کرتے ہوئے دیکھوں تو میری آنکھیں روشن اور خوش ہو جائیں۔

ہمیں اس عظیم عمل میں کامیابی کے لیے امام سجاد علیہ السلام کی طرح خداوند عالم سے توفیق طلب کرنا چاہیے:

«اللَّهُمَّ وَمُنَّ عَلَيَّ بِبَقَاءِ وُلْدِي وَبِإِصْلَاحِهِمْ لِي وَبِإِمْتَاعِي بِهِمْ»[5]،

---

[1]- سورہ تحریم آیت ۶۔

[2]- صحیفہ سجادیہ ۲۵ویں دعا۔

[3]- سورہ فرقان آیت ۷۴۔

[4]- بحار الأنوار، ج ۲۴، ص ۱۳۳۔

[5]- صحیفہ سجادیہ ۲۵ویں دعا۔

اے میرے معبود! میری اولاد کی بقا اور ان کی اصلاح اور ان سے بہرہ مندی کے سامان مہیا کر کے مجھے ممنون احسان فرما۔ ہمارے بچے ہی ہمارا اثاثہ اور ہماری اصل دولت ہیں۔ جیسا کہ امام سید الساجدین علیہ السلام رسالہ حقوق میں فرماتے ہیں: «وَ أَمَّا حَقُّ وَلَدِكَ فَتَعْلَمُ أَنَّهُ مِنْكَ وَ مُضَافٌ إِلَيْكَ فِي عَاجِلِ الدُّنْيَا بِخَيْرِهِ وَ شَرِّهِ»[1]

تمہارے اوپر بیٹے کا حق یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ وہ تمہارا ہی ہے دنیا میں تمہی سے وابستہ ہے اور اس کا خیر و شر بھی تمہاری ہی طرف منسوب ہوتا ہے۔ لہذا ہمیں جہاں ان کی حفاظت اور بنانے سنوارنے کے لیے اپنے اموال، جذبات و خواہشات اور اوقات کی قربانی کرنی ہے وہاں ان کی دنیا و آخرت میں کامیابی اور کامرانی کے لیے دعائیں بھی کرنا ضروری ہے۔ پروردگار عالم بھی ہمیں قرآن کریم میں اولاد کو سچا مسلمان بنانے، عبادت کے طریقے سکھلانے اور توبہ و استغفار کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾[2]، پروردگار ہم دنوں کو اپنا مسلمان اور فرمانبردار قرار دے دے اور ہماری اولاد میں بھی ایک فرمانبردار امت پیدا کر، ہمیں ہمارے مناسک دکھلادے اور ہماری توبہ قبول فرما کہ تو بہترین توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

امام علی بن الحسین علیہما السلام اولاد کے جسم، ایمان اور اخلاق کے بارے میں اس طرح دعا فرماتے ہیں:

«إِلَهِي امْدُدْ لِي فِي أَعْمَارِهِمْ، وَزِدْ لِي فِي آجَالِهِمْ، وَرَبِّ لِي صَغِيرَهُمْ، وَقَوِّ لِي ضَعِيفَهُمْ، وَأَصِحَّ لِي أَبْدَانَهُمْ وَأَدْيَانَهُمْ وَأَخْلَاقَهُمْ، وَعَافِهِمْ فِي أَنْفُسِهِمْ وَفِي جَوَارِحِهِمْ وَفِي كُلِّ مَا عُنِيتُ بِهِ مِنْ أَمْرِهِمْ، وَأَدْرِرْ لِي وَعَلَى يَدَيَّ أَرْزَاقَهُمْ»[3]

میرے سہارے کے لیے ان کی عمروں میں برکت اور زندگیوں میں طول دے اور ان میں سے چھوٹوں کی پرورش فرما اور کمزوروں کو توانائی دے اور ان کی جسمانی، ایمانی اور اخلاقی حالت کو درست فرما اور ان کے جسم و جان اور ان کے دوسرے معاملات میں جن میں مجھے اہتمام کرنا پڑے انہیں عافیت سے ہمکنار رکھ، اور میرے لیے اور میرے ذریعہ ان کے لیے رزق فراواں جاری کر۔

۲- اولاد کی تربیت اور ان سے محبت کرنے میں اللہ سے مدد کا مطالبہ.

---

[1] ۔رسالہ حقوق «اولاد کا حق»۔

[2] ۔سورہ بقرہ آیت ۱۲۸۔

[3] ۔صحیفہ سجادیہ ۲۵ویں دعا۔

اسلام کے اصولوں میں سے ایک اہم اصول بچوں کی اصلاح اور تربیت کا اصول ہے۔ قابل افسوس بات ہے کہ جیسے جیسے معاشرہ مختلف سائنسی اور ٹیکنلوجی کے میدانوں میں زیادہ سے زیادہ حیرت انگیز پیشرفت اور انکشافات کر رہا ہے، اتنی ہی روحانی اور تربیتی مسائل پر توجہ کم سے کم ہوتی جارہی ہے۔ انسانی زندگی کی اولین تربیت گاہ اور استاد والدین ہوتے ہیں اور وہی ایک صالح انسان کی بنیاد رکھتے ہیں، لہذا والدین پر لازم ہے کہ وہ خود کو اپنے بچوں کا استاد سمجھیں، چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام اولاد کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«وَ أَنَّكَ مَسْئُولٌ عَمَّا وُلِّيتَهُ مِنْ حُسْنِ الْأَدَبِ وَ الدَّلَالَةِ عَلَى رَبِّهِ وَ الْمَعُونَةِ لَهُ عَلَى طَاعَتِهِ فِيكَ وَ فِي نَفْسِهِ فَمُثَابٌ عَلَى ذَلِكَ وَ مُعَاقَبٌ»[1]، اور یہ ذمہ داری تمہاری ہے کہ اسے ادب سکھاؤ، اس کے پروردگا کی طرف اس کی راہنمائی کرو اور اس کی اطاعت میں اس کی مدد کرو اگر تم اس ذمہ داری کو پورا کروگے تو ثواب پاؤگے اور اگر اس کی انجام دہی میں کوتاہی کروگے تو سزا پاؤگے۔

مذہب اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ بچے کی تربیت کا کام اُس وقت سے شروع ہوتا ہے جب وہ رحم مادر میں ہوتا ہے۔ اور یہ بات میڈیکل سائنس میں بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ہمارے قول، فعل، فکر اور احساسات کا اثر رحم مادر میں بچے پر پڑ رہا ہوتا ہے۔ اِس لیے حمل کے دوران بھی گھر کے ماحول اور خاص طور پر ماں کو اپنی سوچ اور قول و فعل کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کے مطابق رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور ماں کو ایسے کاموں میں مصروف رہنا چاہیے جن میں سوچ وچار، غور و خوض اور تدبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اِن امور کو اپنا معمول بنالے تو انشاء اللہ اُس کے بچے پر ان کا اثر ہوگا اور وہ ایک نیک، ذہین اور ہونہار بچہ ہوگا۔ اہلبیت علیہم السلام سے مروی احادیث میں اولاد کی تربیت کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں سے ہر مرحلہ سات سال پر مشتمل ہوتا ہے، پہلے سات سال میں بچوں کو «سیّد اور آقا»، دوسرے سات سال میں «مطیع اور فرمانبردار» جبکہ آخری سات سال میں «وزیر اور مسئول» کا نام دیا گیا ہے[2]۔ عصر حاضر میں بچوں کو روایتی اور مذہبی آداب کے مطابق تعلیم و تربیت دینا ایک انتہائی حساس اور پریشانی کا کام ہے۔ اس لیے امام زین العابدین علیہ السلام اس معاملے میں خدا سے مدد طلب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] رسالہ حقوق «اولاد کا حق»۔

[2] مکارم الاخلاق، طبرسی، ۱۴۱۲ھ، ص ۲۲۲۔

«وَأَعِنِّي عَلَى تَرْبِيَتِهِمْ وَتَأْدِيبِهِمْ، وَبِرِّهِمْ، وَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ مَعَهُمْ أَوْلَاداً ذُكوراً، وَاجْعَلْ ذَلِكَ خَيراً لِي، وَاجْعَلْهُمْ لِي عَوْناً عَلَى مَا سَأَلْتُكَ»[1]

اور ان کی تربیت و تادیب اور ان سے اچھے برتاؤ میں میری مدد فرما۔ اور ان کے علاوہ بھی مجھے اپنے خزانہ رحمت سے نرینہ اولاد عطا کر اور انہیں ان چیزوں میں جن کا میں طلب گار ہوں میرا مددگار بنا۔

اس بنا پر ماں باپ کی سب سے اہم ذمہ داری بچوں کی تعلیم اور تربیت ہے، جس کے بارے میں مرنے کے بعد بھی سوال کیا جائے گا جیسا کہ امام سید الساجدین علیہ السلام رسالہ حقوق میں فرماتے ہیں:

«فَاعْمَلْ فِي أَمْرِهِ عَمَلَ الْمُتَزَيِّنِ بِحُسْنِ أَثَرِهِ عَلَيْهِ فِي عَاجِلِ الدُّنْيَا الْمُعَذِّرِ إِلَى رَبِّهِ فِيمَا بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ بِحُسْنِ الْقِيَامِ عَلَيْهِ وَالْأَخْذِ لَهُ مِنْهُ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ»[2]

پس اس کے لیے اس طرح نیک عمل کرو کہ اس کا حسن و جمال دنیا میں آشکار ہو جائے اور اس کی جو بہترین سرپرستی تم نے کی ہے اور جو نتیجہ تم نے حاصل کیا ہے وہ خدا کی بارگاہ میں تمہارے اور اس کے درمیان ایک عذر ہو جائے۔ لاقوۃ الا باللہ۔

والدین کو تربیت اولاد میں ان دو باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

الف: بچہ کی پہلی تربیت گاہ ماں کی آغوش اور گھر ہوتا ہے۔

والدین کو گھر میں اور اپنے بچوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے۔ بلکہ ان کے ساتھ اس طرح برتاؤ کریں جس طرح وہ پسند کرتے ہیں کہ ان کے بچے بھی ان کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کریں۔ جیسا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

«أجمِلُوا فی الخِطابِ تَسمَعُوا جمیلَ الجَوابِ»[3]، ترجمہ: اچھا جواب سننے کے لیے اچھی طرح بولیں

آج کل کے دور میں فیشن ہو گیا ہے بچہ کو ابھی بولنا چلنا بھی نہیں آتا اچھے برے کو سمجھتا نہیں والدین ان کو PLAY SCHOOL یا گلی، کوچوں اور کھیت وغیرہ میں چھوڑ دیتے ہیں، اور ان کی مادری گود میں تربیت کا انتظام نہیں کرتے، جب کہ قرآن کریم میں ارشاد پروردگار ہو رہا ہے:

---

[1] ۔ صحیفہ سجادیہ ۲۵ویں دعا۔

[2] ۔ رسالہ حقوق «اولاد کا حق»۔

[3] ۔ صحیفہ سجادیہ ۲۵ویں دعا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾[1]، اے ایمان والو اپنے نفس اور اپنے اہل کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

قرآن کریم اس آیہ کریمہ میں ہمیں حکم دے رہا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو خود پالیں ان کی پرورش خود کریں اپنا اور اپنے بچوں کا خیال خود رکھیں۔ اپنے آپ کو، اور اپنے بچوں کو آزاد دوسروں کے حوالہ نہ چھوڑیں۔

قرآن کہتا ہے: ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ﴾[2]، اور اپنے اہل کو نماز کا حکم دیں اور اس پر صبر کریں ہم آپ سے رزق کے طلبگار نہیں ہیں ہم تو خود ہی رزق دیتے ہیں اور عاقبت صرف صاحبانِ تقویٰ کے لئے ہے۔

اگر آپ اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کو کہیں، تو یہ مت کہیں کہ میں نے کہا اور انہوں نے نہیں سنا، بلکہ ان کو تاکید کریں، ڈانٹیں اور خدا وند متعال کا خوف دلائیں، کیونکہ ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ دار ماں اور باپ کی ہے۔ خداوند عالم قرآن کریم میں فرماتا ہے، حقیقی خسارہ میں وہ ہی افراد ہیں جنہوں نے اپنے نفس اور اپنے اہل کو قیامت کے دن گھاٹے میں رکھا:

﴿قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾[3]، کہہ دیجئے کہ حقیقی خسارہ والے وہی ہیں جنہوں نے اپنے نفس اور اپنے اہل کو قیامت کے دن گھاٹے میں رکھا آگاہ ہو جاؤ یہی کھلا ہوا خسارہ ہے۔

اسی لیے پروردگار عالم فرماتا ہے، جنت میں لوگوں کا ایک گروہ ایک دوسرے سے پوچھتا ہے کہ تمہیں جنت میں یہ مقام کس وجہ سے نصیب ہوا؟ تو وہ کہتے ہیں:

﴿قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ﴾[4]، کہیں گے کہ ہم تو اپنے گھر میں خدا سے بہت ڈرتے تھے۔ لہذا ہمیں اپنے بچوں کے بارے میں پر جوش رہنا چاہیے اور ان کی مادی ضروریات کے ساتھ ساتھ معنوی ضروریات سے غافل نہیں ہونا چاہیے، اور

---

[1] سورہ تحریم آیت ۶۔

[2] سورہ طہ آیت ۱۳۲۔

[3] سورہ زمر آیت ۱۵۔

[4] سورہ طور آیت ۲۶۔

ان کی اچھی تعلیم کے ساتھ ساتھ صحیح تربیت کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔ اور ان تمام امور میں اللہ سے مدد کے ساتھ ساتھ شیطان رجیم سے پناہ کی بھی بارگاہ احدیت میں دعا کرتے رہنا چاہیے، جیسا کہ امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا ہے:

«وَ أَعِذْنِي وَذُرِّيَّتِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، فَإِنَّكَ خَلَقْتَنَا وَ أَمَرْتَنَا وَ نَهَيْتَنَا وَ رَغَّبْتَنَا فِي ثَوَابِ مَا أَمَرْتَنَا وَرَهَّبْتَنَا عِقَابَهُ، وَجَعَلْتَ لَنَا عَدُوّاً يَكِيدُنَا، سَلَّطْتَهُ مِنَّا عَلَى مَا لَمْ تُسَلِّطْنَا عَلَيْهِ مِنْهُ، أَسْكَنْتَهُ صُدُورَنَا، وَ أَجْرَيْتَهُ مَجَارِيَ دِمَائِنَا، لَا يَغْفُلُ إِنْ غَفَلْنَا، وَلَا يَنْسَى إِنْ نَسِينَا، يُؤْمِنُنَا عِقَابَكَ، وَ يَخَوِّفُنَا بِغَيْرِكَ»[1]، اور مجھے اور میری ذریت کو شیطان مردود سے پناہ دے۔ اس لیے کہ تو نے ہمیں پیدا کیا اور امر و نہی کی اور جو حکم دیا اس کے ثواب کی طرف راغب کیا اور جس سے منع کا اس کے عذاب سے ڈرایا۔ اور ہمارا ایک دشمن بنایا جو ہم سے مکر کرتا ہے اور جتنا ہماری چیزوں پر اسے تسلط دیا ہے اتنا ہمیں اس کی کسی چیز پر تسلط نہیں دیا۔ اس طرح کہ اسے ہمارے سینوں میں ٹھہرا دیا اور ہمارے رگ و پے میں دوڑا دیا۔ ہم غافل ہو جائیں مگر وہ غافل نہیں ہوتا۔ ہم بھول جائیں مگر وہ نہیں بھولتا۔ وہ ہمیں تیرے عذاب سے مطمئن کرتا اور تیرے علاوہ دوسروں سے ڈراتا ہے۔

پھر اس کے بعد آپ علیہ السلام اسی دعا میں فرماتے ہیں:

«اللَّهُمَّ فَاقْهَرْ سُلْطَانَهُ عَنَّا بِسُلْطَانِكَ حَتَّى تَحْبِسَهُ عَنَّا بِكَثْرَةِ الدُّعَاءِ لَكَ فَنُصْبِحَ مِنْ كَيْدِهِ فِي الْمَعْصُومِينَ بِكَ»، خدایا! اس کے تسلط کو اپنی قوت و توانائی کے ذریعہ ہم سے دفع کر دے تاکہ کثرت دعا کے وسیلہ سے اسے ہماری راہ ہی سے ہٹا دے اور ہم اس کی مکاریوں سے محفوظ ہو جائیں۔

ب: جدید ترین تعلیم سے آراستہ کرنا اور انتہائی پیار سے گریز کرنا۔

بعض اوقات والدین اپنے بچوں کی پرورش اسی طرح کرنا چاہتے ہیں جس طرح ان کی پرورش ہوئی تھی۔ اور چاہتے ہیں کہ ان کی عادت و اطوار ان کے بچوں میں بھی پائی جائیں، جس طرح انہوں نے اپنی زندگی میں سختیاں اور پریشانیاں دیکھی تھیں اور ان کو تحمل کیا تھا اسی طرح وہ اپنی اولاد سے چاہتے ہیں کہ وہ بھی زندگی گزاریں، جب کہ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[1]۔ صحیفہ سجادیہ ۲۵ویں دعا۔

«لاتُقْسِرُوا أَوْلادَكُمْ عَلَى آدابِكُم، فَإِنَّهُمْ مَخْلُوقُونَ لِزَمانٍ غَيْرِ زَمانِكُمْ»[1] اپنے بچوں کو اپنے آداب (رسم و رواج) کی پیروی کرنے پر مجبور نہ کریں، کیونکہ وہ آپ کے علاوہ کسی اور زمانے کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ بعض والدین اپنے بچوں سے بے انتہا محبت کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کو صرف اپنی اولاد، اپنے گھر کے علاوہ کچھ نہیں دکھائی دیتا، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فیملی میں موجود دوسرے افراد سے رفتہ رفتہ دوری اختیار کرنے لگتے ہیں اور نتیجتاً وہ اس منزل پر پہونچ جاتے ہیں کہ "اوروں کی بری بات تو بھاتی نہیں ان کو، پر اپنی برائی نظر آتی نہیں ان کو" اور پھر بچے بھی ان کے اس طرز و عمل دیکھ کر اپنی ذات تک ہی محدود ہو جاتے ہیں، اور ان کو بھی اپنے علاوہ دنیا و مافیہا میں کسی کی کوئی پروہ نہیں ہوتی اور بڑھاپے میں یہ ہی اولاد والدین کو یا تو گھر سے نکال دیتی ہے، یا ان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے۔ لہذا والدین کو اولاد سے والہانہ محبت میں بھی اعتدال سے کام لیتے ہوئے دوسرے رشتوں او معاشرہ و سماج میں موجود دوسرے افراد کا بھی خیال رکھنا چاہیے اور صلہ رحمی کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ شاید اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام سجاد علیہ السلام صحیفہ سجادیہ کی ۲۵ ویں دعا کے آخر میں نہ صرف اپنی اولاد کے لیے دعا فرماتے ہیں، بلکہ تمام مسلمانوں اور مومنین کے لیے دعا کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں: «اللَّهُمَّ أَعْطِنَا جَمِيعَ ذَلِكَ بِتَوْفِيقِكَ وَرَحْمَتِكَ، وَأَعِذْنَا مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ، وَأَعْطِ جَمِيعَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ مِثْلَ الَّذِي سَأَلْتُكَ لِنَفْسِي وَلِوُلْدِي فِي عَاجِلِ الدُّنْيَا وَآجِلِ الْآخِرَةِ، إِنَّكَ قَرِيبٌ مُجِيبٌ سَمِيعٌ عَلِيمٌ عَفُوٌّ غَفُورٌ رَءُوفٌ رَحِيمٌ»

بار الٰہا! اپنی توفیق رحمت سے یہ تمام چیزیں ہمیں عطا فرما۔ اور دوزخ کے آزار سے پناہ دے اور جن چیزوں کا میں نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے سوال کیا ہے ایسی ہی چیزیں تمام مسلمین و مسلمات اور مومنین و مومنات کو دنیا اور آخرت میں مرحمت فرما۔ اس لیے کہ تو نزدیک اور دعا کا قبول کرنے والا ہے، سننے والا اور جاننے والا ہے، معاف کرنے والا اور بخشنے والا اور شفیق و مہربان ہے۔ آخر میں امام سجاد علیہ السلام نے اپنی اس دعا کو ان الفاظ کے ساتھ تمام کیا:

«وَآتِنا فِي الدُّنْيا حَسَنَةً، وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنا عَذابَ النّارِ»[2] ہمیں دنیا میں نیکی (توفیق عبادت) اور آخرت میں نیکی (بہشت جاوید) عطا کر، اور دوزخ کے عذاب سے بچائے رکھ۔"

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۲۰، ص ۲۶۷۔

۲۔ صحیفہ سجادیہ ۲۵ویں دعا۔

خلافت اہل بیتؑ نہج البلاغہ کی نظر میں

سید حمید الحسن زیدی

نہج البلاغہ جو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے مجموعہ کلام پر مشتمل کتاب ہے اس میں اسلامی عقائد واعمال کے ساتھ ساتھ اخلاقی؛ سماجی؛ سیاسی مسائل پر بھی مفصل گفتگو کی گئی انھیں اہم موضوعات میں سے ایک بہت اہم مسئلہ مسئلہ خلافت اور جانشینی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے

عام طور پر پروپیگنڈہ کرنے کی کوشش ہوتی ہے کہ موئے کائنات حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں اپنے حق خلافت کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا جب کہ متعدد خطبات خطوط اور اقوال میں آپ نے اپنے اس حق کی طرف اشارۃ اور صراحۃ روشنی ڈالی ہے یہ اور بات ہے کہ اصل اسلام کی حفاظت اور اور مسلمانوں میں ابتدا ہی سے پھوٹ پڑھانے کے خطرہ کی وجہ سے آپ نے کوئی مسلحانہ قدم نہیں اٹھایا لیکن ایسا نہیں کہ آپ نے غاصبین خلافت کو تسلیم کر لیا ہو یا معاذاللہ ان کے مقابلے میں کسی طرح کا احتجاج نہیں کیا بلکہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے متعدد بیانات اور اقدامات میں اس مقدس حق کا تذکرہ موجود ہے

یہاں پر حضرت علی علیہ السلام کے حق خلافت کے لیے بنیادی طور پر تین اہم دلائل بیان کیے گئے ہیں:

ا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی وصیت اور آپ کی نصّ کا تذکرہ

حضرت علی علیہ السلام کے حق خلافت کی پہلی اور اہم ترین دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی واضح وصیت اور نصّ ہے۔

یہ دلیل نہج البلاغہ میں خطبہ ۲ میں بیان کی گئی ہے جہاں امام علی علیہ السلام نے فرمایا :

لَا يُقَاسُ بِاٰلِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَحَدٌ، وَ لَا يُسَوّٰى بِهِمْ مَنْ جَرَتْ نِعْمَتُهُمْ عَلَيْهِ اَبَدًا۱. هُمْ اَسَاسُ الدِّيْنِ، وَ عِمَادُ الْيَقِيْنِ، اِلَيْهِمْ يَفِيْٓءُ الْغَالِيْ وَ بِهِمْ يَلْحَقُ التَّالِيْ، وَ لَهُمْ خَصَآئِصُ حَقِّ الْوِلَايَةِ، وَ فِيْهِمُ الْوَصِيَّةُ وَ الْوِرَاثَةُ، اَلْاٰنَ اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰٓى اَهْلِهٖ، وَ نُقِلَ اِلٰى مُنْتَقَلِهٖ۔

اس اُمت میں کسی کو آلِ محمد علیہم السلام پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ جن لوگوں پر ان کے احسانات ہمیشہ جاری رہے ہوں وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ وہ دین کی بنیاد اور یقین کے ستون ہیں۔ آگے بڑھ جانے والے کو ان کی طرف پلٹ کر آنا ہے اور پیچھے رہ جانے والے کو ان سے آکر ملنا ہے۔ حق ولایت کی خصوصیات انہیں کیلئے ہیں اور انہیں کے بارے میں (پیغمبرؐ کی) وصیت اور انہیں کیلئے (نبیؐ کی) وراثت ہے۔ اب یہ وقت وہ ہے کہ حق اپنے اہل کی طرف پلٹ آیا اور اپنی صحیح جگہ پر منتقل ہو گیا[1]

---

[1] نہج البلاغہ ترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب طاب ثراہ خطبہ ۲

اس بیان سے مراد یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنی وصیت اور نصّ کے ذریعے خلافت کے لیے نامزد کیا تھا، جیسا کہ واقعہ غدیر حدیث ثقلین حدیث طائر حدیث منزلت وغیرہ سے واضح ہے

۲ .شائستگی اور فضیلت:

حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں اپنے حق خلافت کو اپنی فضیلت اور شائستگی کی بنیاد پر بھی ثابت کیا ہے۔ خطبہ شقشقیہ (خطبہ ۳) میں امام علی (علیہ السلام) نے واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے

اَمَا وَ اللّٰہِ! لَقَدْ تَقَمَّصَھَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ، وَ اِنَّہٗ لَیَعْلَمُ اَنَّ مَحَلِّیْ مِنْھَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحٰی، یَنْحَدِرُ عَنِّی السَّیْلُ، وَ لَا یَرْقٰی اِلَیَّ الطَّیْرُ، فَسَدَلْتُ دُوْنَھَا ثَوْبًا، وَ طَوَیْتُ عَنْھَا کَشْحًا، وَ طَفِقْتُ اَرْتَئِیْ بَیْنَ اَنْ اَصُوْلَ بِیَدٍ جَذَّآءَ، اَوْ اَصْبِرَ عَلٰی طَخْیَۃٍ عَمْیَآءَ، یَھْرَمُ فِیْھَا الْکَبِیْرُ، وَ یَشِیْبُ فِیْھَا الصَّغِیْرُ، وَ یَکْدَحُ فِیْھَا مُؤْمِنٌ حَتّٰی یَلْقٰی رَبَّہٗ. فَرَاَیْتُ اَنَّ الصَّبْرَ عَلٰی ھَاتَآ اَحْجٰی، فَصَبَرْتُ وَ فِی الْعَیْنِ قَذًی، وَ فِی الْحَلْقِ شَجًا، اَرٰی تُرَاثِیْ نَھْبًا.

خدا کی قسم! فرزند ابو قحافہ نے پیراہنِ خلافت پہن لیا، حالانکہ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیل کا ہوتا ہے۔ میں وہ (کوہ بلند ہوں) جس پر سے سیلاب کا پانی گزر کر نیچے گر جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ (اس کے باوجود) میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلو تہی کر لی اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس سے بھیانک تیرگی پر صبر کر لوں، جس میں سن رسیدہ بالکل ضعیف اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور مومن اس میں جد و جہد کرتا ہوا اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرینِ عقل نظر آیا۔ لہٰذا میں نے صبر کیا، حالانکہ آنکھوں میں (غبار اندوہ کی) خلش تھی اور حلق میں (غم و رنج کے) پھندے لگے ہوئے تھے۔ میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا۔

حَتّٰی مَضَی الْاَوَّلُ لِسَبِیْلِہٖ، فَاَدْلٰی بِھَا اِلَی ابْنِ الْخَطَّابِ بَعْدَہٗ. یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابن خطاب کو دے گیا۔[1]

اس کے علاوہ خطبہ ۱۹۵ میں حضرت علی (علیہ السلام) نے رسول خدا ﷺ کے ساتھ اپنے خصوصی تعلق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: میں دشمن سے جہاد کرنے کیلئے صدق نیت سے بڑھو۔

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۳ ترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب طاب ثراہ

فَوَالَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنِّیْ لَعَلٰی جَادَّةِ الْحَقِّ، وَاِنَّهُمْ لَعَلٰی مَزَلَّةِ الْبَاطِلِ. اَقُوْلُ مَا تَسْمَعُوْنَ، وَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَ لَكُمْ.! اس ذات کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، بلاشبہ میں جادۂ حق پر ہوں اور وہ (اہل شام) باطل کی ایسی گھاٹی پر ہیں کہ جہاں سے پھسلے کہ پھسلے۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ تم سن رہے ہو۔ میں اپنے اور تمہارے لئے اللہ سے آمرزش کا طلبگار ہوں[1]

۳۔ خونی رشتہ اور قرابت داری

حضرت علی علیہ السلام کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قریبی خونی رشتہ بھی ان کی خلافت کی ایک اہم دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور خطبہ میں حضرت علی علیہ السلام نے سقیفہ کے واقعہ کی خبر سن کر اپنے خونی رشتہ کا تذکرہ کیا اور ارشاد فرمایا

قَالُوْا: لَمَّا انْتَهَتْ اِلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ علیہ السلام اَنْبَآءُ السَّقِیْفَةِ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ علیہ السلام مَا قَالَتِ الْاَنْصَارُ؟ قَالُوْا: قَالَتْ: مِنَّا اَمِیْرٌ وَ مِنْكُمْ اَمِیْرٌ، قَالَ علیہ السلام فَهَلَّا احْتَجَجْتُمْ عَلَیْهِمْ: بِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَصّٰی بِاَنْ یُّحْسَنَ اِلٰی مُحْسِنِهِمْ وَ یُتَجَاوَزَ عَنْ مُّسِیْٓئِهِمْ قَالُوْا: وَ مَا فِیْ هٰذَا مِنَ الْحُجَّةِ عَلَیْهِمْ؟ فَقَالَ علیہ السلام: لَوْ كَانَتِ الْاِمَارَةُ فِیْهِمْ لَمْ تَكُنِ الْوَصِیَّةُ بِهِمْ. ثُمَّ قَالَ علیہ السلام: فَمَاذَا قَالَتْ قُرَیْشٌ قَالُوْا: احْتَجَّتْ بِاَنَّهَا شَجَرَةُ الرَّسُوْلِ فَقَالَ علیہ السلام: احْتَجُّوْا بِالشَّجَرَةِ وَ اَضَاعُوا الثَّمَرَةَ.

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ کی خبریں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام تک پہنچیں تو آپؑ نے دریافت فرمایا کہ: انصار کیا کہتے تھے؟" لوگوں نے کہا کہ: وہ کہتے تھے کہ ایک ہم میں سے امیر ہو جائے اور ایک تم میں سے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ "تم نے یہ دلیل کیوں نہ پیش کی کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ انصار میں جو اچھا ہو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور جو برا ہو اس سے درگزر کیا جائے، لوگوں نے کہا کہ اس میں ان کے خلاف کیا ثبوت ہے؟ آپؑ نے فرمایا کہ: "اگر حکومت و امارت ان کیلئے ہوتی تو پھر ان کے بارے میں دوسروں کو وصیت کیوں کی جاتی" پھر حضرتؑ نے پوچھا کہ: "قریش نے کیا کہا؟" لوگوں نے کہا کہ: انہوں نے شجرۂ رسولؐ سے ہونے کی وجہ سے اپنے استحقاق پر استدلال کیا۔ تو حضرتؑ نے

[1] نہج البلاغہ ترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب طاب ثراہ خطبہ ۱۹۵

فرمایا کہ نہوں نے شجرہ ہونے سے تو استدلال کیا، لیکن اس کے پھلوں کو ضائع و برباد کر دیا" یعنی اہل بیت کی قربت اور وراثت کو کسی دوسرے سے زیادہ اہم قرار دیا۔ اس دلیل سے واضح ہوتا ہے کہ اہل بیت کی قربت خلافت کے لیے اہم معیار ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کا عظیم مرتبہ

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام نے اہل بیت علیہم السلام کی روحانی اور علمی برتری کا تذکرہ فرمایا ہے

هُمْ مَوْضِعُ سِرِّهٖ، وَ لَجَأُ اَمْرِهٖ، وَ عَيْبَةُ عِلْمِهٖ، وَ مَوْئِلُ حِكَمِهٖ، وَ كُهُوْفُ كُتُبِهٖ، وَ جِبَالُ دِيْنِهٖ، بِهِمْ اَقَامَ انْحِنَآءَ ظَهْرِهٖ، وَ اَذْهَبَ ارْتِعَادَ فَرَآئِصِهٖ.

وہ سرِ خدا کے امین اور اس کے دین کی پناہ گاہ ہیں، علم الٰہی کے مخزن اور حکمتوں کے مرجع ہیں، کتب (آسمانی) کی گھاٹیاں اور دین کے پہاڑ ہیں۔ انہی کے ذریعے اللہ نے اس کی پشت کا خم سیدھا کیا اور اس کے پہلوؤں سے ضعف کی کپکپی دور کی۔

اہل بیت کی عظمت اور انکا یہ بلند مرتبہ انہیں انسانیت کی قیادت اور خلافت کے لیے سب سے موزوں قرار دیتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی مظلومیت اور صبر

نہج البلاغہ کے خطبہ شقشقیہ میں حضرت امام علی علیہ السلام نے اپنی مظلومیت کا ذکر کیا اور فرمایا

فَرَاَيْتُ اَنَّ الصَّبْرَ عَلٰى هَاتَا اَحْجٰى، فَصَبَرْتُ وَفِي الْعَيْنِ قَذًى، وَفِي الْحَلْقِ شَجًا، اَرٰى تُرَاثِيْ نَهْبًا.

لہٰذا میں نے صبر کیا، حالانکہ آنکھوں میں (غبار اندوہ کی) خلش تھی اور حلق میں (غم و رنج کے) پھندے لگے ہوئے تھے۔ میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کے خطبہ کا یہ حصہ آپ کی مظلومیت اور خلافت سے محروم کئے جانے کی وضاحت کرتا ہے، جسے انہوں نے دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا۔

نہج البلاغہ میں مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے حق خلافت سے متعلق یہ چند اقتباسات تھے جنہیں اشارۃً ذکر کیا گیا

اس کے علاوہ متعدد مقامات پر دیگر اشارے اور صراحتیں بھی ہیں جن سب کا تذکرہ مضمون کی وسعت سے باہر ہے صاحبان مطالعہ افراد خود رجوع کر سکتے ہیں

ان تمام دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے خلافت کے لیے صراحت کے ساتھ نامزد کیا گیا تھا اس کے علاوہ ان کی علمی، روحانی شخصیت اور خونی قرابت داری انہیں اس مقام کے لیے سب سے موزوں بناتی ہے۔

امانت الٰہی اور انسان

محمد تقی رضا

سورہ احزاب قرآن مجید کا ایک اہم سورہ ہے جس میں خداوند متعال نے دین کے بہت سے اصول اور فروع کو بیان کیا ہے جیسے ایمان، عمل صالح، جہاد، ایثار، عفت، ادب، اخلاق، معاد وغیرہ اور پھر خداوند متعال اس سورہ میں دو آیتوں کا اضافہ کرتا ہے۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انسان ایسے مقام پر فائز ہے کہ جس کی وجہ سے عظیم رسالت الٰہی کا حامل بن سکتا ہے۔

لیکن اگر انسان اپنی قدر و قیمت نہ جانے تو وہ خود اپنے اوپر بہت بڑا ظلم کرنے والا اور اسفل السافلین میں قرار پانے والا بن سکتا ہے۔ خداوند متعال نے جب اس دنیا کو خلق کیا تو اس نے چاہا اپنی امانت عطا کرے تو اس نے اس امانت کو آسمانوں، پہاڑوں اور زمین پر پیش کیا لیکن انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کی طرف مندرجہ ذیل آیہ شریفہ دلالت کرتی ہے

« إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿۷۲﴾ »

لیکن ان کا یہ انکار نافرمانی کے طور پر نہیں بلکہ اس لئے تھا کہ کہیں اس امانت کی صحیح طور پر نگہداشت نہ کر سکیں اور پھر عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائیں یعنی خوف کی وجہ سے تھا لیکن ان مخلوقات میں سے انسان نے اس امانت کو قبول کرنے کی ہامی بھر لی بے شک انسان اپنے پر ظلم کرنے والا اور نادان ہے۔

مفسرین نے ان دو آیتوں کے بارے میں بہت سے نظریات بیان کئے ہیں جو مندرجہ ذیل پانچ سوالوں کے ارد گرد گھومتے ہیں۔

۱) امانت الٰہی سے مراد کیا ہے؟

۲) اس امانت کو آسمان، زمین اور پہاڑوں پر پیش کرنے کا مطلب کیا ہے؟

۳) آسمان، زمین اور پہاڑوں نے کیسے اس امانت کو قبول کرنے سے انکار کیا؟

۴) انسان کیسے اس امانت الٰہی کا حامل بن سکتا ہے؟

۵) انسان ظلوم (ظالم) اور جھول (نادان) کیوں ہے؟

پہلے سوال: امانت الٰہی سے مراد کیا ہے؟ کے جواب میں کچھ مفسرین نے کہا ہے کہ امانت سے مراد ولایت الٰہی اور کمال عبودیت ہے جو معرفت اور عمل صالح کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، کچھ لوگوں نے کہا کہ انسان کا اختیار اور اس کا ارادہ اور اس کا آزاد ہونا امانت الٰہی ہے جو انسان کو دوسرے موجودات سے الگ کرتا ہے، کچھ لوگوں نے کہا کہ وہ امانت الٰہی عقل ہے جو ثواب اور عتاب کے لیے شرط ہے، کچھ مفسرین نے کہا کہ امانت الٰہی یہی بدن کے ٹکڑے ہیں جیسے کہ آنکھ امانت الٰہی ہے اور اس کی حفاظت کرنی چاہیے اور اس کے ذریعے گناہ نہیں کرنا چاہیے اور ایسے ہی کان، ہاتھ، پیر، زبان اور ہر کوئی امانت الٰہی ہے اور ان کی حفاظت کرنا واجب ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے امانت الٰہی وہی امانتیں ہیں جو انسان دوسروں سے لیتا ہے اور انسان کو وفائے عہد کرنا چاہیے، کچھ لوگوں نے کہا خدا کی معرفت ہے، کچھ لوگوں نے کہا امانت الٰہی خداوند متعال کے واجبات کو انجام دینا اور حرام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے لیکن اگر تھوڑا غور کیا جائے تو یہ تفاسیر ایک دوسرے کے ضد میں نہیں ہے بلکہ ان سب کو جمع کیا جاسکتا ہے اور یہ تفسیریں ہر ایک، امانت کا ایک پہلو بیان کر رہی ہیں۔

ہمیں دیکھنا چاہیے کہ انسان کے پاس ایسی کیا چیز ہے جو آسمان اور زمین اور پہاڑوں کے پاس نہیں ہے انسان کے پاس ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کی وجہ سے انسان زمین پر خدا کا خلیفہ بن سکتا ہے اور معرفت اور تہذیب نفس اور کمالات کے ذریعے فرشتوں سے بھی اوپر جا سکتا ہے۔ یہ نعمت وہی امانت الٰہی ہے جو انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ انسان اپنے ارادے و اختیار کے ساتھ خدا کا خاص بندہ بن جائے اور ولایت الٰہی کو قبول کرلے اور بے نہایت کمال کی طرف قدم اٹھائے، یہ ایک ایسی نعمت ہے جو دوسرے مخلوقات کے نزدیک نہیں ہے۔ اگرچہ انسان کے پاس دوسری نعمتیں بھی ہیں جو امانت الٰہی ہیں لیکن ان کو خاص طور سے امانت الٰہی نہیں کہا گیا ہے، ایسا اس لئے ہے کہ یہ نعمت سب سے بڑی نعمت ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے عبد ہونے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے اور اگر یہ نعمت نہ ہو تو دوسری نعمتوں کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔

دوسرے سوال یعنی امانت کو آسمان، زمین اور پہاڑوں پر پیش کرنے کا مطلب کیا ہے؟ کیا خداوند متعال نے آسمان اور زمین کو بھی عقل یا شعور دیا ہے کہ جس کی وجہ سے خداوند متعال اس امانت الٰہی کو آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کرتا ہے اور پھر وہ انکار کر دیتے ہیں پیش کرنے سے مراد کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خداوند متعال نے جمادات اور جانوروں کو عقل نہیں دی ہے لیکن ایک بہت ضعیف درجے کا شعور دیا ہے۔ جب اس عظیم نعمت کا موازنہ ان کے استعداد سے کیا گیا تو انہوں نے خود اس امانت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ موازنہ کرنا ہی امانت کو پیش کرنا ہے۔

تیسرا سوال یعنی آسمان، زمین اور پہاڑوں نے کیسے اس امانت کو قبول کرنے سے انکار کیا؟ کیا آسمان زمین پہاڑ وغیرہ بولتے ہیں جو انکار کریں؟ اس کا جواب ہے کہ ایسا نہیں کہ وہ بولتے ہوں اور انھوں نے الفاظ میں انکار کیا ہو بلکہ یہ ایک مجاز ہے یعنی جب ان کے استعداد کو اس امانت کے مطابق مقایسہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نعمت ان کی قابلیت سے باہر ہے اور یہ اس امانت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اتنا بڑا آسمان اتنے بڑے بڑے پہاڑ تھے لیکن ایک چھوٹا سا موجود یعنی کہ انسان اس امانت کو قبول کرتا ہے، اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بہترین مخلوق ہونے کا معیار سب سے بڑا ہونا یا مضبوط ہونا نہیں ہے۔

چوتھا سوال کہ انسان کیسے اس امانت الہی کا حامل بن سکتا ہے؟ وہ کون سا انسان تھا کہ جس نے اس امانت الہی کو قبول کیا؟ کیا وہ کوئی خاص مقرب الہی انسان تھا؟ جواب یہ ہے کہ کوئی خاص انسان نہیں تھا بلکہ وہ انسان کی فطرت اور اس کی استعداد تھی جو خدا کی اس نعمت کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی، ایسی قابلیت جو اس امانت کو برداشت کرے اور انسان کو اعلی علیین تک پہنچادے، یہ قبول کرنا تکوینی اعتبار سے تھا اور یہ امانت تکوینی اعتبار سے انسان کو دی گئی نہ کہ کوئی قرارداد یا تشریفات ہو۔

پانچواں سوال انسان ظلوم (ظالم) اور جہول (نادان) کیوں ہے؟ کیوں اس کو نعمت دینے کے بعد مذمت کی جارہی؟ جبکہ خداوند متعال نے انسان کے سر پر اشرف المخلوقات ہونے کا تاج رکھا اور اسے «کرمنا» سے زینت بخشی، مسجود ملائکہ بنایا اس کا جواب یہ ہے کہ، یہ جو اس آیت میں انسان کو ظلوم اور جہول کہا جارہا ہے، اس لئے ہے کہ اگر انسان اس امانت الہی سے غافل ہو جائے اور اس نعمت کو برباد کر دے تو بے شک اس نے خود پر ظلم کیا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس نے کیا کھویا ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو انسان کی کامیابی اور ہلاکت کا معیار ہے یہ امانت ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے خود انسان تین گروہ میں تقسیم ہو جاتے ہیں منافق، مشرک اور مومن۔

« لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۷۳﴾»

ادبی نکتہ: اس آیت میں یہ لام ادبی اعتبار سے کون سا لام ہے دو احتمال ہیں:

الف) یہ لام، لام غایت ہے یعنی اس امانت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ لوگوں نے نفاق کو انتخاب کیا اور کچھ لوگوں نے شرک کا راستہ اختیار کیا اور یہ دو گروہ خیانت کی وجہ سے عذاب الہی میں گرفتار ہو جائیں گے اور کچھ لوگوں نے اس امانت کی حفاظت کی اور اپنے ذمہ داری کو نبھایا تو وہ لوگ رحمت الہی میں داخل ہو جائیں گے۔

ب)دوسرا احتمال یہ ہے کہ لام،لام علت ہو اور اس صورت میں آیت کی تفسیر ایسے ہو گی کہ خداوند متعال نے اس امانت کو پیش کیا تاکہ سب کی آزمائش ہو،سب امتحان میں مبتلا ہو،اور اپنے کام کے مطابق ان کو ثواب یا عذاب دیا جائے۔

روایات میں ملتا ہے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ یہ امانت کیا ہے؟ تو مولاؑ نے فرمایا: یہ امانت وہی ولایت ہے۔ اسی لیے تو جناب زہرا سلام اللہ علیہا خطبہ فدکیہ میں فرماتی ہیں: «میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسکا کوئی شریک نہیں، توحید وہ کلمہ ہے کہ اخلاص کو اس کی روح اور حقیقت قرار دیا گیا ہے اور...عالم کو عدم سے پیدا کیا ہے اور اس کے پیدا کرنے میں وہ محتاج نہ تھا اپنی مشیت کے مطابق خلق کیا ہے۔ جہان کے پیدا کرنے میں اسے اپنے کسی فائدے کے حاصل کرنے کا قصد نہ تھا۔ جہان کو پیدا کیا تاکہ اپنی حکمت اور علم کو ثابت کرے اور اپنی اطاعت کی یاد دہانی کرے،اور اپنی قدرت کا اظہار کرے،اور بندوں کو عبادت کے لئے برانگیختہ کرے،اور اپنی دعوت کو وسعت دے،اپنی اطاعت کے لئے جزاء مقرر کی اور نافرمانی کے لئے سزا معین فرمائی۔ تاکہ اپنے بندوں کو عذاب سے نجات دے اور بہشت کی طرف لے جائے۔...» اس خطب میں حضرت زہرا خداوند متعال کی اس امانت کی طرف اشارہ کرتی ہیں

جب امانت میں خیانت کرنا سب کے نزدیک مذموم ہے تو خدا کی سب بڑی امانت میں خیانت کرنا کتنا زیادہ مذموم ہو گا اس لئے انسان کو ہوش و عقل سے کام لینا چاہیے تاکہ انسان خیانت میں گرفتار نہ ہو۔

جناب ابوذر غفاریؒ کے مختصر حالات زندگی

ڈاکٹر سید سرور عباس نقوی

جُنْدَب بْن جُنادَہ غفاری (متوفی ۳۲ ھ)، جو ابوذر غفاریؒ کے نام سے مشہور تھے، آپ حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگ صحابی اور حضرت امام علی علیہ السلام کے مخلص اصحاب میں سے ہیں۔ آپ کے بارے میں شیعہ و اہل سنت دونوں فرقوں کے علماء نے کافی فضائل و مناقب بیان کئے ہیں۔ علمائے علم رجال اُنہیں ارکان اربعۂ شیعہ میں شمار کرتے ہیں۔ تیسرے خلیفہ عثمان کی کارکردگی پر معترض ہونے کی وجہ سے آپ کو شام جلاوطن کیا گیا اور پھر وہاں سے ربذہ بھیجا گیا اور وہیں پر غربت و بے کسی کے عالم میں دنیا سے گزر گئے۔

جناب ابوذرؓ کے مختصر حالات زندگی

ابوذر غفاریؒ کے والد کا نام جنادہ ابن غفار تھا اور آپ کی والدہ کا نام رملہ بنت الوقیعہ تھا جنکا تعلق بنی غفار بن ملیل خاندان سے تھا، آپ کا "ذر" نامی ایک بیٹا تھا جسکی وجہ سے آپ کی کنیت ابوذر قرار پائی اور آپ اسی کنیت سے اکثر و بیشتر پہچانے جاتے ہیں، آپ کی زوجہ کو بھی «ام ذر» کہتے تھے۔[۱]

جناب ابوذرؓ کا اسلام قبول کرنا

جناب ابوذرؓ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے افراد میں سے ہیں۔[۲] ابوذرؓ خود کہتے ہیں کہ میں اسلام لانے والوں میں سے چوتھا شخص تھا، میں حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور کہا: آپ پر سلام ہو اے اللہ کے رسول؛ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں۔ پھر آپؐ کے چہرے پر خوشی اور مسرت دیکھی تھی۔[۳]

ابن عباس نے ابوذرؓ کے اسلام لانے کے بارے میں بیان کیا ہے کہ جب ابوذرؓ کو مکہ میں حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی خبر ملی، تو آپ نے اپنے بھائی "انیس" سے کہا کہ اس سرزمین پر جاؤ اور میرے لئے اس مرد کے علم کے بارے میں خبر لے کر آؤ جس کا دعویٰ ہے کہ اُسے آسمان سے وحی آتی ہے، اُن کی باتوں کو سن کر میرے پاس واپس آجاؤ۔

۱۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ۱۳۷۸ھ، ج۱۵، ص۹۹۔

۲۔ ذہبی، تاریخ الاسلام، ۱۴۰۷ق، ج۳، ص۴۰۶؛ ابن عبد البر، الاستیعاب، ۱۴۱۲ق، ج۱، ص۲۵۲

۳ ابن حبان، الصحیح، ۱۴۱۴ق، ج۱۶، ص۸۳۔

ابوذرؓ کا بھائی مکہ پہنچا، اور پیغمبر اسلام ﷺ کی باتوں کو سن کر واپس ابوذرؓ کے پاس پہنچا۔ پھر ابوذرؓ مکہ گئے اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ ابوذرؓ کہتے ہیں: جب صبح ہوئی تو میں حضرت امام علیؑ کے ساتھ حضرت پیغمبرؐ کے گھر گیا، اور اسلامی رسم کے مطابق کہا: آپ پر سلام ہو اے رسول خدا اور میں پہلا فرد تھا جو آپؐ پر اس طرح سلام بھیجتا تھا۔۔۔ اور پھر رسول خداؐ نے مجھے اسلام کی پیشکش دی اور میں نے شہادتین اپنی زبان پر جاری کیا۔[1]

جناب ابوذرؓ کے فضائل اور مناقب

ابوذرؓ کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اللہ تعالی نے مجھے چار لوگوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور کہا ہے اللہ خود بھی انہیں بہت چاہتا ہے: علی، مقداد، ابوذر اور سلمان۔[2] پیغمبر اکرمؐ انہیں یوں خطاب فرماتے تھے: مرحبا اے ابوذر! تم ہمارے اہل بیتؑ میں سے ہو۔[3] اور ایک اور جگہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ابوذر سے زیادہ سچے آدمی پر نہ آسمان کا سایہ پڑا ہے اور نہ ہی زمین نے کسی ایسے شخص کو اپنے اندر جگہ دی ہے۔[4] ایک اور روایت میں رسول خداؐ نے ابوذرؓ کو زہد اور انکساری میں حضرت عیسیؑ بن مریمؑ کے مثل فرمایا ہے۔

امام علیؑ سے ابوذرؓ کے بارے میں سوال کیا گیا تو امامؑ نے فرمایا: ابوذرؓ کے پاس ایسا علم ہے جس سے لوگ محروم ہیں اور وہ ایسے علم سے مستفید ہو رہے ہیں جو کبھی کم نہیں ہوتا۔[5] امیر المومنینؑ ابوذرؓ کا شمار اُن افراد میں کرتے تھے جن کی جنت مشتاق ہے۔[6]

حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: رسول خداؐ کے بعد سب لوگ امام علیؑ کو چھوڑ گئے اور آپ کا انکار کیا سوائے تین لوگوں کے، سلمانؓ، ابوذرؓ اور مقدادؓ۔ عمارؓ نے بھی آپؑ کو چھوڑا لیکن دوبارہ آپؑ کی جانب واپس پلٹ آئے۔[7]

حضرت امام جعفر صادقؑ نے ابوذر کی عبادت کے بارے میں فرمایا کہ ابوذرؓ کی بیشتر عبادت غور و فکر تھی... خدا کے خوف سے اس قدر روئے کہ آنکھیں زخمی ہو گئیں۔[8] شیخ مفید، امام موسی کاظم علیہ السلام سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن، ایک ندا

---

[1] ۔ ابن عبد البر، الاستیعاب، ح ۴، ص ۱۶۵۴

[2] ۔ علامہ امینی، الغدیر، ۱۳۹۷ھ، ج ۹، ص ۱۱۷

[3] ۔ طوسی، امالی طوسی، ۱۴۱۴ق، ص ۵۲۵؛ طبرسی، مکارم الاخلاق، ۱۳۹۲ق، ص ۲۵۶

[4] ۔ مجلسی، بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۴۰۴

[5] ۔ ابن عبد البر، احمد، الاستیعاب، ج ۱، ص ۲۵۵

[6] ۔ صدوق، الخصال، ۱۴۰۳ق، ص ۳۰۳

[7] ۔ مفید، الاختصاص، ۱۴۱۴ق، ص ۱۰.

[8] ۔ صدوق، الخصال، ۱۴۰۳ق، ص ۴۰ و ۴۲

آئے گی کہ کہاں ہیں رسول خداؐ کے وہ حواری جنہوں نے عہد نہیں توڑا تھا؟ تو اس وقت سلمان، مقداد اور ابوذر اپنی جگہ سے اٹھیں گے۔[1]

ابوذر کی امام علیؑ سے دوستی

اربلی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ابوذرؓ نے امام علیؑ کو اپنا وصی بنایا اور کہا: خدا کی قسم میں نے برحق امیر المومنینؑ کو وصیت کی ہے۔ خدا کی قسم وہ ایسی بہار ہے کہ جس کے ساتھ سکون ملتا ہے اگرچہ لوگ ان سے جدا ہو گئے اور اُن سے خلافت کا حق چھین لیا گیا۔[2] ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے: ابوذرؓ نے ربذہ میں ابن رافع سے کہا کہ بہت جلد ایک فتنہ ایجاد ہو گا، پس خدا سے ڈرو اور علی بن ابی طالبؑ کی حمایت کرو۔[3] اُن کی حضرت علیؑ سے دوستی اور محبت اس حد تک تھی کہ رات کی تاریکی میں حضرت فاطمہؑ کے جنازے کی تشییع میں شرکت کی۔[4]

ابوذرؓ کا زہد و تقویٰ

ایک لباس ابوذرؓ کے لئے کسی نے دیا تو ایک پارچہ خود اپنے پرانے لباس کے نیچے پہن لیا، ایک اپنے غلام کو دیا، جو بہتر تھا، جب لوگوں نے دیکھا، تو کہا دوسرا لباس غلام کی بجائے خود پہن لیتے تو آپ کو زیب دیتا تو ابوذرؓ نے کہا: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہو اپنے غلام کے لئے بھی وہی پسند کرو۔[5]

خلافت امیر المومنینؑ سے ابوذرؓ کا دفاع

جب ابو بکر نے اپنی خلافت کا اعلان کیا تو اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بارہ آدمیوں نے ارادہ کیا کہ اس پر اعتراض کریں ہر ایک نے باری باری گفتگو کی جب ابوذرؓ اٹھے اور کہا: اے قریش کی جماعت بہت بڑی غلطی کا اس نے ارتکاب کیا ہے خدا کی قسم اس کی وجہ سے عرب کا ایک گروہ اپنے دین سے خارج ہو گا اور ایک گروہ دین میں متزلزل و مضطرب ہو گا اگر خلافت خاندان پیغمبر میں قرار دیں ہرگز جھگڑا نہ ہو گا لیکن اب بڑا خون خرابہ ہو گا اور اہل دنیا کے نیزے آپس میں ٹکرائیں گے تم گواہ ہو اور جانتے ہو کہ رسول

---

[1] ۔ مفید، الاختصاص، ص ۶۱

[2] ۔ اربلی، کشف الغمہ، ۱۴۰۵ھ، ج ۱، ص ۳۵۳

[3] ۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ۱۳۷۸ھ، ج ۱۳، ص ۲۲۸

[4] ۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۱۵

[5] ۔ عیان الشیعہ مادہ جندب ص ۳۲۷ سے ۳۳۰

خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد خلیفہ علیؑ ہونگے اس کے بعد حسنینؑ شریفین ان کے فرزند ان کے بعد ان کی معصوم اولاد، تم نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو پس پشت ڈال دیا اُن سے عہد کو فراموش کر دیا اُن کی وصیت کو بھول گئے دنیا کی لذت کی پیروی کی ، آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمت کو چھوڑ دیا، تم نے بھی گذشتہ امتوں کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کو فراموش کر دیا ہے، حقیقت میں دین سے منحرف ہو گئے.... اب جلدی تم اپنے کئے کی سزا بھگتو گے۔ [1]

جناب ابوذرؓ کی عبادت:

ابو عثمان نہدی کا بیان ہے: کہ ابوذرؓ کو سوار دیکھا کہ کبھی قبلہ کی طرف سر کو موڑتے ہیں تو کبھی زمین کی طرف اشارہ کرتے ہیں! میں نے تصور کیا کہ ابوذرؓ کو نیند آرہی ہے پوچھا ابوذر نیند آرہی ہے ابوذرؓ نے کہا: نہیں بیدار ہوں اور نماز پڑھ رہا ہوں۔

اہل بصرہ کا ایک آدمی ابوذرؓ کے بیٹے کی وفات کے بعد اُن کے پاس بیٹے کی تعزیت و تسلیت کے لئے آیا اور اُن کی زوجہ سے پوچھا ابوذرؓ اب کس حال میں ہے کہا: ہمیشہ اللہ کی عبادت اور تفکر میں وقت گزارتے ہیں اور تنہائی میں بیٹھ کر فکری عبادت کرتے ہیں۔ [2]

ابوذر خلفاء کے دور میں

ابوذرؓ نے امام علیؑ کو ولایت کا حق دار سمجھتے ہوئے ان کے دفاع میں ابو بکر کی بیعت سے انکار کیا۔ [3] اور دوسرے خلیفہ کے دور میں ابوذرؓ کا ان لوگوں میں سے شمار ہوتا تھا جنہوں نے خلیفہ کی طرف سے دیئے ہوئے تدوین حدیث کی ممنوعیت کے حکم کو ماننے سے انکار کیا اور کہتے تھے خدا کی قسم اگر میری زبان پر تلوار رکھیں اور کہیں کہ میں پیغمبر اکرمؐ کی حدیث نقل نہ کروں تو میں اپنی زبان کٹوانے کو رسول اللہؐ کی احادیث بیان نہ کرنے پر ترجیح دیتا ہوں۔ [4] اور حدیث نقل کرنے کی وجہ سے ہی عمر کے زمانے میں ابوذرؓ دوسرے چند افراد کے ساتھ قید خانے میں بھی رہے۔ [5]

شام جلاوطنی

---

[1] ۔ اعیان الشیعہ ص ۳۵۳

[2] ۔ اسد الغابہ، اعیان الشیعہ ص ۳۵۲

[3] ۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، ترجمہ آیتی، ج ۱، ص ۵۲۴

[4] ۔ ابن سعد، طبقات کبری، ج ۲، ص ۳۵۴

[5] ۔ ابن حیان، المجروحین، ج ۱، ص ۳۵

ابن ابی الحدید کا بیان ہے: عثمان کی طرف سے مروان بن حکم، زید بن ثابت اور چند دوسرے لوگوں کو بیت المال سے مال دینے اور اس پر ابوذرؓ کی مخالفت اور احتجاج باعث بنا کہ انہیں شام جلاوطن کر دیا گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ابوذرؓ گلی کوچوں میں علنی طور اعتراض کرتے تھے اسی وجہ سے عثمان نے انہیں مدینہ سے شام جلاوطن کر دیا۔ [1]

ابوذرؓ شام میں معاویہ کے کاموں پر اعتراض کرتے تھے اور ایک دن معاویہ نے ۳۰۰ دینار ابوذر کے لئے بھیجے تو ابوذرؓ نے دینار لانے والے سے کہا: اگر یہ بیت المال سے میرا اس سال کا حصہ ہے جو اب تک نہیں دیا تھا تو میں اسے رکھ دیتا ہوں لیکن اگر ہدیہ ہے تو اس کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے اور اسے واپس کر دیا۔ جب معاویہ نے دمشق میں قصر خضراء بنایا تو ابوذرؓ نے کہا: اے معاویہ! اگر اس قصر کو بیت المال کے پیسوں سے بنایا ہے تو خیانت ہے اور اگر اپنے پیسوں سے بنایا ہے تو اسراف ہے۔

اس طرح سے ابوذر ہمیشہ معاویہ سے کہتے تھے: خدا کی قسم تو نے ایسے کام انجام دیئے ہیں جنہیں میں نہیں جانتا ہوں؛ اور خدا کی قسم! ایسے کام نہ تو اللہ کی کتاب میں ہیں اور نہ ہی پیغمبر اکرمؐ کی سنت میں؛ میں ایسے حق کو دیکھ رہا ہوں جو بجھا جا رہا ہے اور ایسے باطل کو دیکھ رہا ہوں جو زندہ ہو رہا ہے، سچ کو دیکھ رہا ہوں جسے جھٹلایا جا رہا ہے۔۔۔ یہاں تک کہ ابوذرؓ کی انہی باتوں کی وجہ سے ایک دن معاویہ نے ان کی گرفتاری کا حکم دیا اور انہیں اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ٹھہرایا۔ ابوذرؓ نے بھی جواب میں کہہ دیا: میں نہ تو اللہ کا دشمن ہوں اور نہ ہی اللہ کے رسول کا، اللہ اور اس کے رسول کے دشمن تو تم اور تمہارا باپ ہے جنہوں نے دکھاوے کے طور پر اسلام قبول کیا لیکن دل میں کفر چھپا رکھا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یقیناً تم پر لعنت کی اور کئی بار تمہیں بد دعا کی کہ تمہارا پیٹ کبھی نہ بھرے۔ معاویہ نے کہا: وہ شخص میں نہیں ہوں۔ تو ابوذرؓ نے کہا: کیوں نہیں تم ہی وہ شخص ہو؛ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا آپؐ نے مجھ سے ہی کہا اور میں نے خود سنا ہے کہ فرماتے تھے: یا اللہ اس (معاویہ) پر لعنت بھیج اور اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے مگر مٹی سے۔ یہ سن کر معاویہ نے ابوذرؓ کو جیل بھیجنے کا حکم دیا۔ [2] اسی طرح کہا گیا ہے کہ ابوذرؓ شام میں لوگوں کو پیغمبر اکرمؐ اور اہل بیتؑ کے فضائل بیان کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ اسی لیے معاویہ نے لوگوں کو ان کی محفل میں شرکت کرنے سے منع کر دیا،

---

[1] ۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۸، ص ۲۵۶

[2] ۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ۱۳۷۸ق، ج ۸

اور عثمان کو خط لکھ کر ابوذرؓ کے کاموں سے آگاہ کیا اور عثمان کے جواب ملنے کے بعد معاویہ نے ابوذرؓ کو مدینہ کی جانب روانہ کر دیا۔[1]

ربذہ جلاوطنی

ابوذرؓ نے مدینہ میں عثمان سے ملاقات کی لیکن خلیفہ کی طرف سے دیئے گئے دینار کو قبول نہیں کیا اور عثمان سے بھی ابوذرؓ برداشت نہ ہوئے اور بدترین حالت میں ربذہ کی جانب جلاوطن کر دیا۔ ابوذرؓ اور عثمان کے درمیان گفتگو اور اس کی ربذہ جلاوطنی کی تفصیل تاریخی کتابوں میں ذکر ہوئی ہے۔[2]

عثمان نے ابوذرؓ کو ربذہ بھیجتے وقت حکم دیا کہ کوئی ان کی ہمراہی نہ کرے اور مروان بن حکم کو حکم دیا کہ وہ ابوذرؓ کو مدینے سے خارج کرے۔ اس طریقے سے، کسی نے اس کے ساتھ جانے کی جرات نہ کی، ایسے میں، امام علیؑ اور آپ کے بھائی عقیل اور امام حسن و حسینؑ اور عمار یاسر ان سے خدا حافظی کے لئے آئے اور انہیں وداع کیا۔[3]

ابوذرؓ کا ربذہ کی جانب جلاوطنی کے وقت حضرت امام علیؑ کا خطاب

اے ابوذر! تمہارا غم و غصہ خدا کی خاطر تھا، لہٰذا اسی ذات پر امید رکھو۔ یہ لوگ اپنی دنیا میں تم سے خوفزدہ ہیں، اور تم کو اپنے دین کی خاطر ان سے ڈر ہے۔ لہٰذا جس چیز کی خاطر وہ تم سے ڈرتے ہیں، وہ چیز ان کے لئے چھوڑ دو۔ اور جس وجہ سے تم ان سے ڈرتے ہو اس کو ان سے دور لے جاؤ۔ تم نے جس کام سے انکو روکا ہے، انکو اسکی کتنی ضرورت ہے، اور تم کتنے بے نیاز ہو اس سے جس سے وہ تمہیں روکتے ہیں۔ تمہیں بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ کل اس کا نفع کس کو ملے گا، اور جس کو اس کا زیادہ نقصان ملے گا، وہ کون ہوگا۔ اگر آسمانوں اور زمین کو کسی انسان کے لئے بند کیا جائے، لیکن وہ خدا سے ڈرے، اس کے لئے وہ دونوں کھلے ہیں۔ خدا خود تمہارا مونس اور مددگار ہے، اور سوائے باطل کے تمہیں نہیں ڈرا سکے گا۔ اگر تم ان کی دنیا کو قبول کرتے وہ تم سے دوستی کرتے، اور اگر اُن کی خاطر قرض لیتے تو ان کو سکون ملتا۔[4]

ابوذرؓ کی وفات

---

[1] ۔ امین، اعیان الشیعہ، ج ۴، ص ۲۳۷

[2] ۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، ج ۱، ص ۱۷۱ و ۱۷۲؛ ابن سعد، طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۲۲۶-۲۲۹؛ طبری، تاریخ طبری، ۱۴۰۳ق، ج ۳، ص ۳۳۶

[3] مسعودی، مروج الذہب، ج ۱، ص ۶۹۸

[4] ۔ ترجمہ شہیدی، نہج البلاغہ، خطبہ ۱۳۰، ص ۱۲۸-۱۲۹

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اے ابوذر! تم اکیلے زندگی گزارو گے اور تمہیں اکیلے میں موت آئے گی اور اکیلے مبعوث ہو گے اور اکیلے جنت میں داخل ہو گے۔ عراق کے وہ لوگ تمہاری وجہ سے خوش قسمت ہوں گے جو تمہیں غسل و کفن اور دفن کریں گے۔

ابوذر ذی الحجہ سنہ ۳۲ ہجری اور عثمان کے دور خلافت میں ربذہ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، ابوذر کی بیوی نقل کرتی ہے کہ جب ابوذرؓ پر موت کے آثار دیکھے تو گریہ کرنے لگیں ابوذرؓ نے کہا: گریہ کیوں کر رہی ہو؟ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ انہوں نے ہم اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تھا: تم میں سے ایک بیابان میں تنہائی کے عالم میں مرے گا جو اسے کفن دے گا وہ خوش نصیب ہو گا جب یہ بات سنی تو اب ان میں سے جو اس دن بیٹھے تھے رسول کی بات سنی کوئی نہیں رہا سوائے میرے اب تم غم نہ کرو جب میں مر جاوں تم راستے پر جا کر بیٹھ جانا۔

وہاں سے ایک قافلہ گزرے گا ان کو کہنا وہ مجھے دفن کریں گے اسی اثنا میں ایک قافلہ حاجیوں کا وہاں سے گزرا تو ابوذرؓ کی بیوی نے ان کو ابوذرؓ کے انتقال کو بتایا تو وہ اپنی سواریوں سے اترے اور انہیں کفن دیا اور مالک اشترؒ یا عبد اللہ بن مسعودؓ نے نماز جنازہ پڑھی اور دفن کیا اور مالک اشترؒ ان کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر کہنے لگے ابوذرؓ نے کسی کا حق نہیں لوٹا بلکہ حق گوئی کی وجہ سے شہر بدر کئے گئے ائے اللہ جنہوں نے ان پر ظلم و ستم کیا ہے ان کو ہلاک کر سب نے بلند آواز سے آمین کہی پھر انکے اہل و عیال کو لیکر مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

آخر میں جناب ابوذرؓ سے بیان کی ہوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ ایک اہم نصیحت کے ذکر کے ساتھ زیر نظر مضمون کو یہیں پر ختم کر رہے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: يا اَباذَرٍّ! حاسِبْ نَفْسَكَ قَبْلَ اَنْ تُحاسَبَ، فَاِنَّهُ اَهْوَنُ لِحِسابِكَ غَداً، وَزِنْ نَفْسَكَ قَبْلَ اَنْ تُوزَنَ، وَتَجَهَّزْ لِلْعَرْضِ الأَكْبَرِ يَوْمَ تُعْرَضُ، لا تَخْفى عَلَى اللهِ خافِيَةٌ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ائے ابوذر! قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے تم اپنے نفس کا محاسبہ کرو کہ یہ کام کل کے تمہارے حساب کو آسان کر دے گا اور قبل اس کے کہ تمہارے عمل کا وزن کیا جائے تم اپنے نفس کا وزن کرو اور اپنے آپ کو روز قیامت کے لئے آمادہ کرو کہ جس دن تمہیں پیش کیا جائے گا اور اس دن کوئی مخفی کام خدا سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔[1]

[1] ۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۳۷۹

شیعہ اور سنی مفسرین کے نزدیک آیہ شراء کی تفسیری آراء

سید پیغمبر عباس نوگانوی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ فضیلت امام علی علیہ السلام کے حصے میں آئی جس پر قرآنی آیات اور اسلامی روایات گواہ ہیں۔

اگرچہ سیاست نے بہت ساری آیات و روایات کو اپنی پسندیدہ شخصیات کے لئے جعل کرنے کی کوشش کی لیکن حق ظاہر ہو کر ہی رہا اور سیاست کو کامیابی نہ ملی۔

علماء نے قرآن مجید میں امام علی علیہ السلام کی شان و فضیلت میں کئی سو آیات ذکر کی ہیں جن میں آیۂ شراء بھی شامل ہے جو امام علی علیہ السلام کی بہت بڑی فضیلت کو بیان کر رہی ہے۔

یہ قرآن مجید کے سورۂ بقرہ کی ۲۰۷ویں آیت ہے جس میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ

"اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اپنے نفس کو مرضی پروردگار کے لئے بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے"

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے شیعہ اور سنی مفسرین نے اس آیت کا مصداق امام علی علیہ السلام کو قرار دیا ہے، طیب سید عبد الحسین تحریر فرماتے ہیں کہ:

"غایۃ المرام میں بیس حدیثیں روایت کی گئی ہیں جن میں ۹ حدیثیں اہل سنت کے طرق سے اور ۱۱ حدیثیں شیعہ طرق سے بیان کی گئی ہیں کہ یہ آیت لیلۃ المبیت یعنی وہ رات جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تھی اور اپنے بستر پر اپنی جگہ امام علی علیہ السلام کو سلایا تھا کے موقع پر امام علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی تھی"[1]

اِس آیت کی شان نزول بیان کرتے ہوئے احمد علی بابائی فرماتے ہیں کہ:

[1] اَطیب البیان فی تفسیر القرآن، طیب سید عبد الحسین، ج ۲، ص: ۳۸۶، انتشارات اسلام، تہران، ۱۹۹۹ عیسوی

"اہل سنت کے معروف مفسر "ثعلبی" کہتے ہیں کہ: جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار مکہ آپ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تاکہ موقع ملتے ہی آپؐ پر حملہ کر دیں، آپؐ نے امام علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپؐ کی مخصوص سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر امام آپؐ کے بستر پر سو جائیں۔

اس موقع پر خداوند عالم نے "جبرئیل" اور "میکائیل" پر وحی کی کہ میں نے تم دونوں (جبرئیل و میکائیل) کے درمیان اخوت قائم کر دی ہے اور تم دونوں میں سے ایک کی عمر کو طولانی کر دیا ہے، تم دونوں میں سے کون حاضر ہے کہ ایثار کرے؟ دونوں میں سے کوئی بھی تیار نہ ہوا پھر ان پر وحی کی گئی کہ اب علی علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سو گئے ہیں اور اپنی جان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا کرنے کو تیار ہیں، تم زمین پر جاؤ اور ان کی محافظت کرو، جس وقت جبرئیل امام علیؑ کے سرہانے اور میکائیل پائنتی بیٹھے ہوئے تھے تو جبرئیل نے کہا: "اے علیؑ! احسنت بارک اللہ خداوند عالم آپ کے ذریعہ فرشتوں میں مباہات کر رہا ہے" اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور اسی وجہ سے اس تاریخی رات کو 'لیلۃ المبیت' کہتے ہیں"[1]

تفسیر اطیب البیان میں طیب سید عبد الحسین فرماتے ہیں کہ:

اس آیت میں جو 'مِنَ النَّاسِ' کا "من" ہے وہ تبعیض کے لئے ہے اور روایات کے مطابق جس کے معنی 'لوگوں میں سے بعض' ہے اور 'بعض لوگ' سے مراد حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام ہیں۔[2]

اہل سنت کے بعض مفسرین نے امام علی علیہ السلام کی اِس فضیلت کو کم رنگ کرنے کے لئے اِس آیت کے مصداق 'فروع دین کے پابند مسلمان' مراد لیا ہے جو کُل پر دلالت کرتا ہے اور آیت کا 'من' 'بعض' پر دلالت کر رہا ہے، لہٰذا یہی تفسیر صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اِس آیت سے مراد امام علی علیہ السلام ہیں۔

بعض مفسرین نے شراء نفس (جان بیچنے) کی تین قسمیں ذکر کی ہیں:

۱- آتش جہنم کے خوف سے شراء نفس

۲- شراء نفس بہشت کے شوق میں

---

[1] برگزیدہ تفسیر نمونہ، بابایی احمد علی، ناشر دار الکتب الاسلامیہ تہران، ج۱، ص ۱۸۷-۱۸۶

اس کے علاوہ غزالی نے اپنی کتاب ذم المال من الاحیاء العلوم، جلد ۳، صفحہ ۳۸ میں روایت کی ہے اور اس سے محجۃ البیضاء جلد ۶، صفحہ ۸۰ اور الغدیر جلد ۲، صفحہ ۴۸ نے بھی نقل کیا ہے۔

[2] اَطیب البیان فی تفسیر القرآن، ج۲، ص: ۳۸۷-۳۸۶

۳- شراء نفس خداوند عالم کی رضاو خوشنودی کے لئے

سب سے زیادہ بلند مرتبہ شراء نفس کی یہی تیسری قسم ہے کہ جس کے مقابلے میں انسان کوئی چیز نہیں چاہتا، اور لیلۃ المبیت میں جناب رسول خداؐ کے بستر پر امام علیؑ کا سوجانا اسی تیسری قسم میں شمار ہوتا ہے۔[1]

اور یہ امام علیؑ کی وہ صفت ہے جو آپؑ کو تمام انسانوں سے ممتاز کرتی ہے۔

اور آپؑ کی سیرت کا یہ پہلو ہمارے لئے بہترین درس ہے کہ ہمیں اپنے اعمال میں زیادہ سے زیادہ خداوند عالم کی رضا اور خوشنودی کا خیال رکھنا چاہئے اس سے اللہ بھی خوش ہوگا اور ہمارے امام بھی ہم سے راضی رہیں گے۔

علامہ طباطبائی کے بقول: رضائے خدا کے لئے جان بیچ دینے سے مراد یہ ہے کہ ایسا کرنے والا سوائے خوشنودیٔ خدا کے اور کوئی چیز نہیں چاہتا، صرف وہی چاہتا ہے جو خدا چاہتا ہے، اپنے نفس کے لئے کوئی خواہش نہیں رکھتا۔[2]

اسی طرح اس جملہ: "وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ..."، سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس روز ایسا مرد موجود تھا جو پروردگار کے علاوہ کسی پر بھی فخر نہیں کر رہا تھا اور خداوند عالم کی رضا کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں رکھتا تھا، یہ ایسا مرد تھا کہ اس کا کردار دین و دنیا کے امور کی اصلاح کر رہا تھا اور اس کے ذریعہ احقاق حق ہو رہا تھا۔[3]

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب پیغمبر خدا اس رات میں غار میں تشریف لے گئے تو اپنی جگہ علیؑ کو لٹادیا اور انہیں اپنی چادر اڑھا دی۔۔۔

ابن عباس سے نے کہا: علیؑ نے اپنی جان (اللہ کو) بیچ دی اور پیغمبرؐ کا لباس پہن کر ان کی جگہ پر سو گئے۔[4]

اس کے علاوہ ثعلبی اور حسکانی نے اور بھی بہت سی صحیح روایات نقل کی ہیں جن سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی دوسری آیات کی طرح یہ آیت بھی امام علیؑ کی شان میں نازل ہوئی تھی۔

---

[1] الفرقان فی تفسیر القرآن بالقرآن، جلد ۳، صفحہ ۲۲۵، محمد صادق تہرانی، انتشارات فرہنگ اسلامی ۱۹۸۶ عیسوی

[2] المیزان فی تفسیر القرآن، علامہ طباطبائی، ج ۲، ص ۹۸، دفتر انتشارات اسلامی جامعہ ی مدرسین حوزہ علمیہ قم، پانچوں ایڈیشن ۱۴۱۷ ہجری قمری

[3] ترجمہ تفسیر المیزان، موسوی ہمدانی سید محمد باقر، دفتر انتشارات اسلامی جامعہ ی مدرسین حوزہ علمیہ قم

[4] سیمای امام علیؑ در قرآن (ترجمہ شواہد التنزیل) حاکم حسکانی، ترجمہ یعقوب جعفری، جلد ۱، صفحہ ۵۴، ناشر اسوہ قم

سورہ عبس و تولی کے حقیقی مصداق کا فیصلہ

آیات قرآنی کے تناظر میں

ڈاکٹر ذیشان حیدر

قرآن کریم کی بعض آیات بعض دوسری آیات کی تفسیر اور تائید کرتی ہیں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: « **ینطق بعضه ببعض ویشهد بعضه علی بعض** قرآن کریم کی بعض آیات بعض دوسری آیات کی تفسیر کرتی ہیں (اسی طرح) بعض آیات بعض دوسری آیات کی تائید کرتی ہیں اس بنا پر ہم نے اس مقالہ میں یہ ارادہ کیا ہے کہ سورہ عبس کی ابتدائی آیات کا قرآن کی دیگر آیات کے تناظر میں جائزہ لیں لہذا مطلب کی وضاحت کے لئے ہم سب سے پہلے سورہ عبس کی چند ابتدائی آیات کے ترجمہ کو پیش کریں گے اس کے بعد ان سے ماخوذ مفہوم کو بیان کرتے ہوئے علمائے اہل سنت و شیعہ کے نزدیک ان کے شان نزول کو بیان کریں گے اس کے بعد ان کے اقوال و استدلال کو بیان کرتے ہوئے آخر میں ان کی رد یا تائید کے لئے قرآنی آیات کا سہارا لیں گے۔

سورہ عبس کی ابتدائی آیات کا ترجمہ: اس نے منہ بنایا اور پیٹھ پھیر لی. کہ اس کے پاس ایک نابینا آگیا. اور تجھے کیا معلوم شاید وہ پاکیزہ نفس ہو جاتا. یا نصیحت حاصل کر لیتا تو وہ نصیحت کام آجاتی. لیکن جو مستغنی بن بیٹھا ہے۔ تو اس کی فکر میں لگا ہوا ہے. حالانکہ تجھے پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اگر وہ پاکیزہ بھی نہ بنے لیکن جو تیرے پاس دوڑ کر آیا ہے. اور وہ خوف خدا بھی رکھتا ہے تو اس سے بے رخی کرتا ہے۔

آیات کا مفہوم:

جب ہم شان نزول سے قطع نظر کرتے ہوئے ان آیات پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اوائل بعثت میں کسی ایک غیر تربیت یافتہ مسلمان نے ایک نابینا مومن آدمی سے اس کے نابینا ہونے کی بنا پر منہ بنایا اور پیٹھ پھرائی اور اس طرح اس سے بے رخی کا اظہار کیا اور اپنے اس عمل سے اس کو حقیر و ذلیل سمجھا جس پر خدا نے اس مٹھ بورنے اور پیٹھ پھرانے والے آدمی کی سرزنش کی اور فرمایا تو غریب فقیر اور نابینا آدمی سے بے رخی کرتا ہے اور مالداروں کی طرف توجہ دیتا ہے اور ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کی فکر میں ڈوبا رہتا ہے۔

سوال

یہاں پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ وہ شخص کون ہے جو ایک نابینا مومن کے ساتھ اس طرح پیش آیا اور خدا نے اس کی اس طرح سرزنش کی ؟ آئیے فریقین کی تفاسیر میں تلاش کرتے ہیں کہ وہ شخص کون ہے۔

اکثر علماء اہل سنت کا نظریہ:

علمائے اہل سنت میں: عبد الرزاق ابن جریر طبری[1]، ابن ابی حاتم،[2] ابولیث سمرقندی[3]، محمد بن عبد اللہ بن ابی زمنین[4]، سلمی[5]، ثعلبی[6]، واحدی نیشاپوری[7]، سمعانی[8]، نسفی[9]، ابن عربی[10]، ابن جوزی[11]، فخر رازی[12]، قرطبی[13]، بیضاوی[14]، غرناطی کلبی[15]، ابوحیان اندلسی[16]، ابن کثیر[17]، ثعالبی[18]، جلال الدین سیوطی[19]، ابو السعود[20]، شوکانی[21] آلوسی[22]، عبد الرحمن بن ناصر سعدی[23]، شنقیطی[24] اور دیگر مفسرین و محدثین اہلسنت کا بیان ہے وہ شخص جس کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں وہ خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

---

[1] جامع البیان ج ۳۰ ص ۶۵ چاپ ۱۴۱۵ ۱۹۹۵ دار الفکر بیروت لبنان۔

[2] ۔ تفسیر ابن آبی حاتم تحقیق اسعد محمد طیب ج ۱ ص ۳۳۹۹ مکتبہ عصریہ

[3] ۔ تفسیر ابولیث سمرقندی تحقیق ڈاکٹر محمود مطرحی۔

[4] ۔ تفسیر ابن زمنین ج ۵ ص ۹۳ ناشر الفاروق الحدیثیۃ قاہرہ مصر

[5] ۔ تفسیر سلمی ج ۲ ص ۳۷۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

[6] تفسیر ثعلبی ج ۱۰ ص ۱۳۰ دار احیاء التراث بیروت لبنان سال چاپ ۲۰۰۲۰ھ ۱۴۲۲۔

[7] اسباب نزول الآیات ص ۲۹۷ موسسہ حلبی قاہرہ سال چاپ ۱۳۸۸، ۱۹۹۸م

[8] تفسیر سمعانی ج ص ۱۵۵ سعودیہ دار الوطن ریاض سال چاپ ۱۴۱۸، ۱۹۹۷م

[9] ۔ تفسیر نسفی ج ۴ ص ۳۱۶

[10] احکام القرآن ج ۴ ص ۳۶۲ تحقیق محمد عبد القادر عطا دار الفکر بیروت لبنان

[11] زاد المیسر ج ۸ ص ۱۷۹ تحقیق محمد بن عبد الرحمن عبد اللہ دار الفکر لبنان سال چاپ ۱۴۰۷، ۱۹۸۷م

[12] تفسیر رازی ج ۳۱ ص ۵۴

[13] تفسیر قرطبی ج ۱۹ ص ۲۱۱ تحقیق مصطفی السقا دار احیاء التراث بیروت لبنان سال چاپ ۱۴۰۵ و ۱۹۸۵م

[14] تفسیر بیضاوی ج ۵ ص ۱۵۴ دار الفکر بیروت لبنان

[15] التسہیل العلوم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۸ دار الکتب العربی بیروت لبنان سال چاپ ۱۹۸۳۔ ۱۴۰۳م

[16] ۔ تفسیر البحر المحیط ج ۸ ص ۴۱۹ در الکتب العلمیۃ بیروت لبنان چاپ ۱۴۲۲ھ ۲۰۰۱م

[17] ۔ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۰۱ تحقیق عبد الرحمن مرعشلی دار المعرفۃ بیروت لبنان۔

[18] ۔ تفسیر العالمی ج ۵ ص ۵۵۱

[19] ۔ در المنثور ج ۶ من ۳۱۵ دا المعرفۃ چاپ بیروت لبنان و لباب النقول ص ۲۲۷ دار احیاء العلوم بیروت لبنان

[20] ۔ تفسیر ابی السعود ج ۹ ص ۱۰۷ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان

[21] ۔ فتح القدیر ج ۵ ص ۳۸۶ چاپخانہ عالم الکتب بیروت لبنان

[22] ۔ تفسیر الوسی ج ۳۰ ص ۳۹

[23] ۔ تفسیر الکریم فی کلام المنان ص ۹۱۰ موسسہ رسالہ چاپ ۱۴۲۱ھ ۲۰۰۰م

[24] اضواء البیان ج ۸ ص ۴۳۰ مکتب البحوث والدراسات بیروت لبنان ۱۴۱۵، ۱۹۹۵م

فخر رازی نے تحریر کیا ہے کہ اس بات پر مفسرین کا اجتماع ہے کہ ''عبس و تولی" سے مراد رسول خداؐ ہیں اور نابینا شخص سے مراد" عبد اللہ بن مکتوم ہیں[1]۔ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر در المنثور کے صفحہ ۳۱۴ و ۳۱۵ پر اس ضمن میں عائشہ اور انس بن مالک سے کچھ روایتیں نقل کی ہیں جن کا نچوڑ یہ ہے: ایک روز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند سردارانِ قریش جیسے: ابو جہل ابی بن خلف عقبہ بن ربیعہ و... کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور امید وار تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں اسی وقت ایک نابینا مسلمان عبد اللہ بن مکتوم داخل ہوئے اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کو قرآن کی تعلیم دیں اور وعظ فرمائیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی آمد اور معقول درخواست سے ناراض ہوئے اور منھ بنا کر پیٹھ پھیر لی اور سردارانِ قریش سے گفتگو میں مصروف ہو گئے ان لوگوں کے جانے کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں جن میں حضور پاک کو ان کے اس عمل پر سرزنش کی گئی ہے۔

علمائے اہل سنت کے دلائل:

وہ روایات جو ام المسلمین عائشہ اور انس وغیرہ سے مروی ہیں ان کا مفہوم ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں جبکہ عامہ کی روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی ابن مکتوم کو دیکھتے تو فرمایا کرتے تھے " مرحبا بمن عاتبنی فیه ربی "مرحبا اس شخص پر جس کی وجہ سے میرے پروردگار نے مجھ پر عتاب کیا ہے، پس اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ان آیات میں عتاب و سرزنش کی گئی ہے اور اس کو تمام مفسرین قبول کرتے ہیں۔

علماء اہل سنت چونکہ ایک طرف اپنی صحیح ترین کتب میں اس واقعہ کو تحریر دیکھتے ہیں اور دوسری طرف شان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسئلہ ہے لہذا اگر وہ یہ کہیں کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں تو صحیح و بنیادی کتابوں کی آبرو خطرے میں پڑ جاتی ہے اور اگر یہ کہیں کہ سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نابینا آدمی [جو ہر قوم کے نزدیک قابل رحم و کرم ہوتا ہے] سے منہ بسورا تو سرکار پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت پر حرف آتا ہے لہذا اس کشمکش میں پڑنے کی وجہ سے انھوں نے مندرجہ ذیل توجیہات پیش کی ہیں:

علمائے اہل سنت کی توجیہات:

پہلی توجیہ:

کہتے ہیں نزول آیات کے وقت نابینا آدمی سے منہ بسورنا "ممنوع نہ تھا لہذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا کرنا بد اخلاقی شمار نہ ہوگا۔

---

[1] ۔ المسألة الثالثة: أجمع المفسرون على أن الذي عبس و تولى، هو الرسول عليه الصلاة والسلام، وأجمعوا (على) أن الأعمى هو ابن أم مكتوم (تفسیر رازی ج ۳۱ ص (۵۶) البتہ صرف سنی مفسرین کا اجماع ہے کہ عبس اور تولی سے مراد رسول خدا ہیں نہ تمام مسلمان مفسرین کا لہذا ان کو قید لگانا چاہئے تھا

یہ توجیہ زیادہ معقول دیکھائی نہیں دیتی کیونکہ اگر اس وقت منہ بنانا اور پیٹھ پھرانا ممنوع نہ تھا تو خداوند متعال کو اپنے محبوب پیغمبر ﷺ سے اس طرح کہنا چاہیے تھا" میرے پیارے حبیب آج کے بعد ہم نے نابینا کے ساتھ اس طرح پیش آنے کو ممنوع قرار دیدیا آج کے بعد ایسا نہ کرنا" لہذا خداوند متعال کو اس طرح ان الفاظ میں "لیکن جو مستغنی بن بیٹھا ہے۔ تو اس کی فکر میں لگا ہوا ہے... لیکن جو تیرے پاس دوڑ کر آیا ہے۔ اور وہ خوف خدا بھی رکھتا ہے۔ تو اس سے بے رخی کرتا ہے" آپ ﷺ کی سرزنش نہیں کرنی چاہیے تھی کہ پس اس توجیہ مردود ہے کیونکہ اس توجیہ سے اولا خداوند متعال کی ذات پر حرف آتا ہے کہ اس نے غیر ممنوع چیز پر اپنے محبوب ترین رسول کی اس طرح سرزنش کی ہے اور ثانیا اس طرح کا برتاو سے ان کے خلق عظیم ہونے پر حرف آتا ہے مذکورہ توجیہ کے باطل ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ نابینا پر رحم و کرم کے مستحسن ہوئے اور اس کی بے احترامی کرنے کے مذموم ہونے میں کسی شرعی دستور کی ضرورت نہیں ہے چونکہ اس عمل کے مذموم ہونے کو ہر صاحب عقل سمجھتا ہے یہاں تک کہ وہ افراد کہ جو اصلا خدا کو نہیں مانتے وہ بھی نابینا افراد پر رحم و کرم اور اچھے برتاو کو ضروری اور اس کی حقارت کو برا سمجھتے ہیں شاید اللہ تعالی نے اس بے احترامی کرنے والے شخص کی جو سرزنش کی ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ محتاج آدمی کو اذیت دینا عملا قبیح ہے تو پھر عقل کامل رسول عربی سے یہ فعل کیسے سرزد ہو سکتا ہے؟

دوسری توجیہ:

وہ کہتے ہیں کہ منہ بسورنا اور پیٹھ پھرانا انسان کے فطری و باطنی حالات سے تعلق رکھتا ہے جو ہر شخص کے لئے پیش آسکتا ہے لہذا پیغمبر ﷺ کی اس کام پر تنقیص نہیں کی جاسکتی؟

جواب اولا: اگر یہ درونی کیفیات ہیں اور ہر آدمی کی لئے پیش آسکتی ہیں تو خداوند عالم نے ایک غیر اختیاری کام پر کیوں سرزنش کی اس صورت میں (العیاذ باللہ) خدا کا سرزنش کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ خدا اس کام پر سرزنش کر رہا ہے کہ جو انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے۔

ثانیا: یہ سچ ہے یہ عمل فطری ہے لیکن اس کو ظاہر کرنا یا ضبط کر لینا تو اختیاری اور انسان کے اخلاقیات میں سے ہے اسی بنا پر خدا نے اس شخص کی سرزنش کی ہے کہ کیوں کہ اس نے غصہ کو ضبط نہ کیا اور نابینا سے منہ بسورا اور پیٹھ پھرائی؟ پس معلوم ہوا غصہ کا اظہار اختیار اور اخلاق میں شمار ہوتا ہے۔

ثالثا: رسول کے تمام اعمال وافعال اللہ عزوجل کے لیے ہوتے ہیں تو یہ برتاو بھی خدا کے لئے ہوا تو پھر خدا کو سرزنش کے بجائے شکریہ ادا کرنا چاہیے تھا اور ان کی مدح سرائی کرنی چاہیے تھی یا کم از کم خاموش رہنا چاہیے تھا کیونکہ آپ ﷺ نے خدا کی محبت اور اس کے دین کی ترقی کے لئے ایسا کیا تھا، جس طرح جناب موسی ﷺ نے جب اپنی قوم کو گمراہ پایا تو اللہ کے دین کی محبت میں جناب ہارون کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے اور اللہ نے ان کو کچھ نہ کہا کہ تم نے ہارون کے ساتھ یہ کیا برتاو کیا؟

لہذا دوسری توجیہ بھی کارساز نہیں ہے۔

تیسری توجیہ:

بعض سنی مفسرین کا کہنا ہے کہ پہلی دو آیتوں میں غایب کے صیغے تعظیم و تکریم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے استعمال ہوئے ہیں اور اس کے بعد حاضر کے صیغے محبت اور عطوفت کی بناپر استعمال کئے ہیں. یہ توجیہ اسقدر غیر معقول ہے کہ حتی بعض دوسرے سنی مفسرین سے بھی اس کی رکاکت برداشت نہ ہوسکی اور وہ احتجاجادہائی دینے لگے چنانچہ:

ا۔ ابن عطیہ نے کہا: غائب کے صیغوں سے خطاب کرنا توسرزنش کے زیادہ ہونے پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ اس میں بے رخی کا عنصر پایاجاتا ہے[1]

زمخشری نے بھی یہی کہا کہ: غائب کے صیغوں سے خبر دینا سرزنش و عتاب کو زیادہ کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ صرف تعظیم ہی نہیں ہے بلکہ اس میں اور زیادہ سرزنش پائی جاتی ہے۔[2]

رہی یہ بات کہ غائب کے صیغوں کے بعد حاضر کے صیغے استعمال کرنا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبت والفت کی بناپر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کیسی محبت ہے ابھی خدا اپنے حبیب سے حاضر کے صیغوں میں محبت بھرے لہجہ میں گفتگو کر رہا ہے پھر یکایک اسطرح سرزنش اور توبیخ کرنا شروع کر دیتا ہے: «أما من استغنى. فأنت له تصدى، لیکن جو مستغنی بن بیٹھا ہے۔ تم اس کی فکر میں لگے ہوئے ہو۔ لیکن جو تمھارے پاس دوڑ کر آیا ہے۔ اور وہ خوف خدا بھی رکھتا ہے۔ تم اس سے بی رخی کرتے ہو ہے۔ اس کے علاوہ فأنت له تصدى میں "انت" اور "له" اور أنت عنه تلهى، میں "انت" اور "عنہ" کی ضمیریں فعل پر مقدم ہیں جو مزید عتاب اور سرزنش کو مستحکم کرتی ہیں۔ اسی طرح بعد کی آیات میں لفظ "کلا" کا استعمال ہوا ہے، جو حرف ردع وزجر ہے. جو اس سے پہلے کی آیتوں میں بیان شدہ (برے) اخلاق سے پیش آنے والے کو شدت کے ساتھ روک رہا ہے، پس یہ کیسی محبت اور الفت ہے کہ خدا اپنے دوست سے براہ راست کلام کر کے اسے اور زیادہ شرم سار کر رہا ہے۔ اس بناپر ان کی یہ توجیہ بھی قابل قبول نہیں ہے۔

عبس و تولی" کے مصداق کے سلسلہ میں سنی علماء و مفسرین کے بیانات اور توجیہات نیز ان کا مدلل اور متقن جواب پیش کرنے کے بعد اب شیعہ علماء کے بیانات کا جائزہ لیتے ہیں:

شیعہ مفسرین و علماء کا نظریہ:

[1] ۔ قال ابن علیة فی مخاطبته بلفظ الغائب مبالغة فی العتب لأن فی ذلک بعض الإعراض التسهیل لعلوم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۸ ادار الکتب العربی بیروت لبنان)

[2] و قال الزمخشری فی الإخبار بالغیبة زیادة فی الإنکار. (التسهیل لعلوم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۸ ادار الکتب العربی بیروت لبنان سال چاپ ۱۴۰۳ ۱۹۸۳م)

شیعوں کے معروف و مشہور مفسرین و محدثین اور علماء کا عقیدہ یہ ہے کہ ان آیات میں خداوند حکیم نے جس شخص کی سرزنش کی ہے وہ حضور پاک ﷺ کی ذات نہیں ہے بلکہ حقیقیت یہ ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرم ﷺ کی بزم سجی تھی آپ اپنے اصحاب کو وعظ و نصیحت فرمارہے تھے آپ کی بزم میں جو جہاں آتا وہاں بیٹھ جاتا کیونکہ پیغمبر اکرم کے (مطیع) اصحاب کے نزدیک بزم کا اگلا پچھلا حصہ برابر تھا لہذا جس کو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتا تھا لیکن ایک اموی شخص جو اس بات کی رعایت نہ کرتا تھا اور اپنی حیثیت اور مقام کا قائل تھا۔ اس بنا پر ہمیشہ صدر مجلس میں بیٹھتا تھا لہذا آج بھی حسب معمول صدر مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اسی اثنا میں خدا اور رسول کے شیدا موذن عبد اللہ ابن مکتومؓ بزم میں داخل ہوئے اصحاب نے احترام و اکرام کیا اور ان کو آگے جانے کے لیے اشارہ کیا" پیغمبر اکرم ﷺ نے بھی ان کے تقوی اور نابینا ہونے کی بنا پر ان کا اکرام کیا اور ان کو اس اموی شخص پر فوقیت دیتے ہوئے اس کے پہلو میں بٹھایا، جس پر اس اموی شخص کو برا لگا اور اس نے اپنا لباس سمیٹ کر منہ بنایا اور اس سے پیٹھ پھیر لی اور اس طرح عبد اللہ ابن مکتومؓ کو ناچیز سمجھتے ہوئے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا جس پر سورہ عبس نے نازل ہو کر اس شخص کے اس فعل کی سرزنش کی۔ یہ آیت کا شان نزول تھا۔

علمائے شیعہ کے بیانات کی تفصیل:

علی بن ابراہیم قمی فرماتے ہیں سورہ عبس عثمان اور موذن رسول عبد اللہ بن مکتوم کے بارے میں نازل ہوا ہے جو نابینا تھے[1]۔

۱۔ سید مرتضی علم الہدی فرماتے ہیں: بظاہر آیات کی نسبت حضور کی طرف نہیں ہے بلکہ یہ صرف ایک خبر ہے لیکن وہ کون شخص ہے۔ اس کی آیات میں وضاحت نہیں ہوتی ہے صرف آیات سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ شخص حضور پاک کے علاوہ کوئی اور ہے کیونکہ اس قسم کی حرکت حضور پاک ﷺ کے اخلاق اور کردار میں نہ تھی تھی وہ اپنے سخت ترین دشمنون کے ساتھ بھی اس طرح پیش نہ آتے تھے تو کیسے اپنے مسلمان مومن موذن کے ساتھ ایسے پیش آئیں گے لہذا یہ روش پیغمبر اکرم ﷺ کے صفات جمیلہ سے میل نہیں کھاتی۔

۲۔ شیخ طوسی علمائے اہل سنت اور حشویہ کے نظریہ کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں یہ نظریہ (منہ بنانے اور پیٹھ پھرانے والے ہمارے نبی ﷺ تھے) باطل ہے کیونکہ خداوند عالم نے آپ ﷺ کو اس قسم کی رفتار و کردار سے برتر قرار دیا ہے لہذا خداوند عالم کیسے آپ ﷺ کو ان جیسی صفات سے متصف کر سکتا ہے جبکہ اس نے آپ کو خلق عظیم اور نرم دل و مہربان جیسی صفات سے آراستہ کیا ہے جس کی گواہی یہ آیات دے رہی ہیں "انك لعلى خلق عظيم" "لو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من

---

[1] ۔ قمی، علی بن ابراہیم، متوفی ۳۲۹ تفسیر قمی ص ۴۰۴ مطبعہ نجف اشرف چاپ ۱۳۸۷ھ

حولك،،اس کے علاوہ آپؐ کیسے مومنین سے منہ موڑ سکتے ہیں جبکہ اللہ عز وجل آپ کو یہ ایت فرما چکا ہے وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ، اور جو لوگ صبح وشام اپنے رب کو پکارتے، ہیں انھیں اپنے سے دور نہ کریں آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر آپؐ کسی سے مصافحہ کرتے تھے تو جب تک سامنے والا شخص اپنا ہاتھ نہ کھینچتا تھا آپ ہاتھ نہ کھینچتے تھے پس کیسے اپنے نابینا صحابی سے اس طرح پیش آسکتے ہیں[1]

۳۔ ابوالفتوح رازی اپنی تفسیر میں قتادہ مجاہد ضحاک اور دیگر افراد کے اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

محققین کا بیان ہے کہ اس سے مراد رسول خدا نہیں ہیں کیونکہ منہ بسورنا اور پیٹھ پھیرنا برے صفات میں سے ہیں حتی اگر اس کو بعض علماء وفقہاء کی طرف منسوب کیا جائے تو وہ بھی ناپسند کرتے ہیں تو اس عمل کی نسبت حضور پاک کی طرف کیسے دی جا سکتی ہے کہ جن کو خدا نے ان اوصاف سے منزہ قرار دیا ہے لہذا یہی قول صحیح ہے کہ اس سے مراد رسول خدا نہیں ہیں اور جس قول کو عامہ نے نقل کیا ہے اس کی مخالفت، قرآن کریم کی آیات اور متوافر اخبار کرتی ہیں۔

۴۔ طبری فرماتے ہیں سید مرتضی کے نظریہ کی تائید خداوند عالم کے اس قول سے ہوتی ہے و انك لعلى خلق عظيم[2] اور بیشک آپ اخلاق کے بلند ترین درجات پر فائز ہیں" وفبما رحمة من الله لنت لهمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَأَنفَضُّوا من حولك"[3] یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے نرم مزاج ہیں اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے، ان آیات کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ عبس و تولی" سے مراد کوئی اور ہے۔

اس کے بعد وہ امام صادق علیہ السلام سے اس روایت کو نقل کرتے ہیں

"عن الصادق (ع) أنها نزلت في رجل من بني أمية كان عند النبي (ص)، فجاء ابن أم مكتوم، فلما رأه تقذر منه، وجمع نفسه، وعبس و أعرض بوجهه عنه، فحكى الله سبحانه ذلك، وأنكره عليه"[4].

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں سورہ عبس بنی امیہ کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوا ہے، جو حضور کے پاس تھا اتنے ہیں عبد اللہ بن مکتوم آئے جیسے ہی وہ آئے اس نے ان سے کراہیت کی اور اپنے (لباس) کو سمیٹ لیا اور منہ بنایا اور اپنے چہرے کو ان سے گھما لیا جس کی اللہ نے (اس طرح) حکایت کی ہے اور (اس طرح) اس کی سرزنش فرمائی ہے۔

---

[1] طوسی محمد بن حسن التبیان ج۱۰ ص۲۶۸ چاپ ۱۴۰۹ مکتبہ اعلام اسلامیہ دار احیاآ التراث

[2] ۔ سورہ قلم ۴

[3] ۔ سورہ آل عمران ۱۵۹

[4] طبرسی فضل بن حسین مجمع البیان ج۱۰ ص۲۶۶ چاپ ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۵م موسسہ اعلمی بیروت لبنان

۵۔ ملا محسن فیض کاشانی: تفسیر صافی میں علی بن ابراہیم قمی کی روایت نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں (یہ جو مشہور ہے کہ یہ آیات عثمان بن عفان کے بجائے حضور پاک کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، سیاق آیات کے منافی ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ خدا اپنے نبی کی اس طرح تنبیہ و سرزنش کرے کہ "لیکن جو مستغنی بن بیٹھا ہے تو اس کی فکر میں لگا ہوا ہے.... لیکن جو تیرے پاس دوڑ کر آیا ہے۔ اور وہ خوف خدا بھی رکھتا ہے۔ تو اس سے بے رخی کرتا ہے"۔ اس طرح کا کلام حضور کی عظمت و مقام کے منافی ہے جو ہر، اسلوب کلام سے آشنا شخص پر مخفی نہیں ہے بلکہ اس طرح کی بد اخلاقی، اہل نفاق کے اخلاق و اطوار سے میل کھاتی ہے[1]۔

شاید فیضؒ کاشانی کی نظر سورہ مدثر کی ان آیات پر تھی کیونکہ ان میں ایک کافر کو اس قسم کی صفات (منہ بنانے اور منہ بسورنے) سے متصف کیا گیا ہے، "ثم عبس وبسر ۔ ثم ادبر و استکبر فقال إن هذا إلا سحر يؤثر "پھر تیوری چڑھا کر منہ بسور لیا ۔پھر منہ پھیر کر چلا گیا اور اکڑ گیا اور آکر میں کہنے لگا کہ یہ تو ایک جادو ہے جو پرانے زمانے سے چلا آرہا ہے

۶۔ علامہ طباطبائی نے بھی اس نظریہ کی تائید کی ہے کہ سورہ عبس، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نازل نہیں ہوا ہے انہوں نے علمائے سابق کے استدلال کے علاوہ اور دوسری آیات و روایات سے استنباط کیا اور اس عقیدہ کو محکم تر قرار دیا ہے۔ اس کے بعد علامہ طباطبائی نے مجمع البیان سے اس روایت کو نقل کیا ہے: روی عن الصادق (ع) انه قال: كان رسول الله (ص) اذا راى عبدالله بن مكتوم قال مرحبا مرحبا لا والله لا يعاتبني الله فيك ابد

اس روایت سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عبس و تولی سے مراد پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں لیکن یہ روایت بھی دوسری مذکورہ روایات کی طرح ضعیف ہے اس کے علاوہ اس روایت کو طبرسی نے عامہ (اہلسنت) سے نقل کیا ہے۔[3]

واضح رہے کہ یہ روایت مرسلہ ہے جبکہ علمائے شیعہ اصول دین و عقائد تو کیا؛ فروع دین میں بھی مرسلہ روایات پر عمل نہیں کرتے اور عصمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بحث عقائد میں سے ہے۔ اسی طرح وہ "مراسیل صدوق" کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں

۱۔ وہ روایات جن کو رُوِیَ سے تعبیر کیا گیا ہے

۲۔ وہ جن کو براہ راست آئمہ سے نسبت دی گئی ہے مثلاً عن الصادق وغیرہ کہہ کر، جن روایات کو "رُوِیَ" سے تعبیر کیا ہے علماء ان کو قبول نہیں کرتے اور یہ روایت بھی انہیں روایات میں سے ہے کہ جن کو "رُوِیَ" سے تعبیر کیا گیا ہے،

اس کے علاوہ خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو فرمان دیا ہے: إذا ورد عليكم حديثان مختلفان، فاعرضوهما على كتاب الله، فما وافق كتاب الله فخذوه، وما خالف كتاب الله فذروه

---

[1] فیض کاشانی، محسن، تفسیر صافی ج ۵ ص ۲۸۵ چاپ ۱۴۱۶ھ چاپخانہ موسسہ ھادی قم ناشر مکتبہ صدر تھران

[2] سورہ مدثر آیہ ۲۴، ۲۳، ۲۲

[3] طباطبائی، محمد حسین تفسیر المیزان ج ۲۰ ص ۲۰۴ جامعہ مدرسین قم ایران

جب تمہارے سامنے دو مختلف حدیث آئیں تو ان کو قرآن کریم پر پیش کرو جو کتاب خدا کے موافق ہو اسے لے لو اور جو کتاب خدا کے مخالف ہو اس کو چھوڑ دو[1]

امام صادق علیہ السلام نے ہم کو بتایا ہے کہ اگر دو صحیح السند متعارض روایت ہم سے منقول ہوں تو ان کو قرآن پر پیش کرو جو قرآن کے موافق ہو اس کو اخذ کرو اور جو قرآن کے مخالف ہو اس کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دو اگر قرآن میں تلاش نہ کر پاو تو ان کو مخالف کی روایتوں سے ملاو جو ان کے مخالف ہو اس کو لے لو[2]۔ لہذا امام صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق ہمارے علماء اس روایت کو قبول نہیں کرتے کیونکہ قرآن کے مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ مخالفین کے موافق ہے

علمائے شیعہ کے مزید دلائل:

علماء کے ان اقوال کے علاوہ جب ہم اس سورہ سے قبل نازل ہونے والے؛ سوروں کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ سورہ عبس حضور پاک ﷺ کے بارے میں نازل نہیں ہوا ہے کیونکہ اس سے قبل نازل ہونے والے سوروں میں خدا نے پیغمبر اکرم ﷺ کو ایسے صفات سے متصف فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کی طرف اس بد اخلاقی کی نسبت دینا نا ممکن ہے مثلا: سورہ قلم جو نزول کے اعتبار سے دوسرا سورہ ہے آپ کے بارے میں فرماتا ہے: و انك لعلی خلق عظيم[3] اور بیشک آپ اخلاق کے بلند ترین درجات پر فائز ہیں۔ تو جس کے بارے میں خدا "سورہ عبس" کے نزول سے پہلے ہی بلند ترین اخلاق پر فائز ہونے کی خبر دے اس سے کیسے یہ نازیبا حرکت ہو سکتی ہے اور خدا اس پیارے رسول کو کیسے تنبیہ کر سکتا ہے؟ جبکہ سورہ ضحی میں آپ ﷺ سے فرمایا: فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ وَ أَمَّا السَّائِلَ فلا تنهر[4] تم یتیم پر قہر نہ کرنا اور سائل کو مت جھڑکنا۔

خداوند متعال جب ایک عام گدا کے بارے میں یہ فرما رہا ہے کہ اس کو جھڑکنا مت تو پھر گدائے علم و نصیحت (عبد اللہ بن مکتوم) سے کیسے منہ موڑ سکتے اور کیسے پیٹھ پھرا سکتے ہیں بے چارے عبد اللہ نے تو بڑے ادب سے آپ ﷺ سے عرض کی تھی کہ: یا رسول اللہ خدا کے عطا کردہ علم میں سے کچھ علم مجھ کو عطا کر دیجے "سوچئے جب ایک عام گدا کو جھڑکنا ممنوع ہے تو گدائے علم سے رو گردانی کرنا کس قدر ممنوع ہو گا؟ اس بنا پر پیغمبر اکرم ﷺ سے یہ فعل سرزد ہو ہی نہیں سکتا اسی طرح سورہ انشراح کی ان دو آیتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ "عبس و تولی" سے مراد حضور پاک نہیں ہیں "الم نشرح لك صدرك"[5] کیا ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ نہیں کیا۔

---

[1] ۔ صدوق مقنع ص ۴۵۸ موسسہ ہادی ۱۴۱۵

[2] ۔ ذکر الشیخ العاملی قدس سرہ فی وسائل الشیعۃ ۸۵/۱۸ الحدیث ۳۰ عن سعید بن ہبۃ اللہ الراوندی فی رسالتہ المخطوطۃ التی ألفھا فی أحوال أحادیث أصحابنا وإثبات صحتھا بسندہ عن الحسین بن السری قال: قال أبو عبد اللہ علیہ السلام) إذا ورد علیکم حدیثان مختلفان فخذوا بما خالف القوم). (جوابات اہل موصل شیخ مفید پاورقی ص (۱۵) تحقیق شیخ مہدی دار المفید بیروت لبنان ۱۴۱۴-۱۹۹۳م

[3] سورہ قلم ۴

[4] ۔ سورہ ضحی ۹

[5] ۔ سورہ شرح ۱

خدا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ کو ایسا کشادہ کیا تھا کہ دشمنوں کی سخت ترین بد اخلاقیوں کو بھی برداشت کر لیتے تھے یہاں تک کہ اگر کسی نے آپ کی لاولد کہہ کر دل شکنی کی تو اس کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں بلکہ خدا نے دیا کہ تمہارا دشمن ہی لاولد ہے تو وہ رسول کیسے اپنے موذن کے ساتھ ایسے اخلاق سے پیش آسکتے ہیں جبکہ اسی سورہ میں یہ بھی ارشاد ہے: " وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ "[1] ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا۔ کیا ممکن ہے کہ جس کا پہلے اللہ ذکر بلند کر چکا ہو پھر اس کو اس طرح رسوا کرے اس کے علاوہ پروردگار عالم سورہ فجر میں رسول اکرم کو "یا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ " بھی کہہ چکا ہے کیا نفس مطمئن کسی مومن سے منہ بسور یا پیٹھ پھرا سکتا ہے یا سورہ عصر میں مومنین کے اوصاف کے بارے میں فرمایا ہے: " و" تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر " کیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبد اللہ بن مکتوم کی اس حرکت پر صبر نہ کر سکتے تھے جبکہ سورہ کوثر ان کے بارے میں فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ کو (ہر قسم کے خیر کثیر سے نواز ہے) جس میں صبر و تحمل بھی شامل ہے؟ جبکہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سورہ کے ورد کی بھی سفارش فرمائی: " قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ - مِنْ شَرِّ ما خلق " : کہو میں ہر مخلوق کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں منہ بسور نا غصہ کی علامت ہے اور غصہ ہر شر کی کنجی ہے حقیقت یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اصلاح طلب مومن پر ہرگز غصبناک نہیں ہو سکتے، اس کے علاوہ مومن پر غصبناک ہونا اور اس سے منہ موڑنا شیطانی وسوسوں میں سے ایک ہے کیونکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: إن الغضب من الشيطان [2] ناحق غضب کرنا شیطانی عمل ہے اور سورہ ناس کے مطابق ہمارے رسول اس سے پاک ہیں کیونکہ خود خدا نے آپ سے کہا ہے کہو: " قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ إِلَهِ النَّاسِ - مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صدور النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ تاکہ میں آپ کو ان وسوسوں سے محفوظ قرار دوں لہذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حرکت ہرگز نہیں ہو سکتی پھر وہ رسول جو دوسروں کو غصہ نہ کرنے کی تلقین کرتے ہوں کیا وہ خود مومنین پر غضب ناک ہو سکتے ہیں؟! در حالیکہ اہل سنت نے ابوہریرہ سے یہ روایت کی ہے "عن أبي هريرة رضى الله عنه ان رجلا قال للنبى صلى الله عليه وسلم أوصنى قال لا تغضب فردد مرارا قال لا تغضب "[3]

یعنی ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا: یا رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت فرما دیجئے تو آپ نے فرمایا غصہ نہ کیا کرو اس نے کئی بار حضرت سے کہا: مجھ کو نصیحت فرمائیے آپ نے ہر بار یہی فرمایا غصہ نہ کیا کرو۔ تو آپ خود فیصلہ کیجئے کہ جو رسول اپنے پیروکاروں کو بار بار غصہ نہ کرنے کی تلقین کرتا ہو وہ کیسے خود اس پر عمل پیرا نہ ہو گا؟ اگر آپ یہ کہیں کہ یہ منہ موڑنا اور پشت گھمانا، اللہ کے لئے تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ اللہ نے ان کو اس طرح کیوں خطاب کیا جبکہ خود اہل سنت نے زوجہ رسولؐ عائشہ سے روایت کی آپ

---

[1] شرح ۴

[2] بکری دمیاطی اعانۃ الطالبین ص ۷۷ ج ۱ چاپ اول سال چاپ ۱۴۱۸ / ۱۹۹۷ دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع بیروت لبنان

[3] بخاری ج ۷ ص ۱۰۰ و سنن ترمذی ج ۳ ص ۲۵۰

ﷺ کا اخلاق قرآن کے مطابق تھا آپ ﷺ خدا کے لئے غصبناک ہوتے تھے اور خدا کے لئے خوش ہوتے تھے۔ اور حد ہو گئی سورہ عبس سے قبل والے سورہ میں تو اللہ نے آپ ﷺ کی اس قدر تعریف فرمائی کہ آپ کے قول کو وحی الٰہی سے تعبیر کیا ہے "وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى" تو اگر حضور ﷺ کا منہ بنانا اور عبد اللہ بن مکتومؓ سے پیٹھ پھرانا خدا کے دین کی نشر و اشاعت اور کافروں کو مومن بنانے کی خاطر کیا تو یہ بھی در حقیقت وحی الٰہی تھا تو کیسے خدا آپ ﷺ کو تنبیہ کر سکتا ہے؟ عجیب ہے سورہ نجم تو آپ کی اس طرح تعریف کی وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے یہ تو صرف اس پر وحی ہوتی ہے جو (اس پر) مسلسل نازل کی جاتی ہے جو اس نہایت طاقت والے (پروردگار) نے تعلیم دی ہے ... جب وہ بلند ترین افق پر تھے پھر وہ قریب آئے اور آگے بڑھے یہاں تک کہ دو کمان یا اس سے کم (فاصلہ رہ گیا پھر اللہ نے اپنے بندہ پر جو وحی (راز کی بات) کرنا تھی کی، جو کچھ (آنکھوں نے) دیکھا، اسے دل نے جھٹلایا نہیں تو کیا جسے انھوں نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھا ہے (اس کے بارے میں) تم لوگ ان سے جھگڑ رہے ہو اور بتحقیق انھوں نے تو اسے ایک بار اور دیکھا ہے سدرۃ المنتہی کے پاس، جس کے پاس ہی جنت الماوی ہے اس وقت سدرۃ المنتہی پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا نگاہ نے نہ انحراف کیا نہ تجاوز کیا بتحقیق انھوں نے اپنے پروردگار کی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا ہے۔

اب قارئین گرامی انصاف سے بتائیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا "سورہ عبس" سے قبل نازل ہونے والے سورہ میں اپنے حبیب کی اتنی ستایش کرے اور ان کو ''سدرۃ المنتہی'' اور ''قاب و قوسین'' کی سیر کرائے اور بڑی نشانیاں دکھائے اور اس کے فورا بعد ان کی سرزنش کرے جبکہ وہ اسی سورہ نجم کی ۲۹ آیت میں فرماتا ہے: جو شخص بھی ہمارے ذکر سے منہ پھیرے اور زندگانی دنیا کے علاوہ کچھ نہ چاہے آپ بھی اس سے کنارہ کش ہو جائیں؟

لہذا بتائیے ان سردارانِ قریش کہ جن کے بارے میں خدا یہ فرمارہا ہے کہ ان سے کنارہ کش ہو جائیں آپ کیسے ان کے بجائے عبد اللہ بن مکتومؓ سے روگردانی و کنارہ کشی کر سکتے ہیں؟ آپ کو حکم قرآن کے مطابق تو سردارانِ قریش سے روگردانی کرنی چاہیے تھی کیا نعوذ باللہ پیغمبر ﷺ اتنی جلدی حکم خدا کو بھول گئے جبکہ خدا نے سورہ اعلی میں نہ بھولنے کی ضمانت لی ہے سنقرئك فلا تنسى "لہذا ان تمام آیات سے کہ جو سورہ عبس سے پہلے نازل ہوئیں ہیں پتہ چلتا ہے حضور نے یہ کام انجام نہیں دیا اگرچہ اس کی تائید اور دیگر آیات سے بھی ہوتی ہے کہ جن میں خداوند عالم نے پیغمبر ﷺ کو مومنین کے ساتھ تواضع سے پیش آنے کا حکم دیا ہے مثلا... و اخفض جناحك لِلْمُؤْمِنِينَ " آپ مومنین کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں. و اخفض جناحك لِمَنِ اتَّبَعَكَ

---

[1] ابن حجر فتح الباری ج ۶ ص ۴۲۰ دار المعرفۃ بیروت لبنان

[2] نجم ۳۔ ۴

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ" اور جو صاحبان ایمان آپ کا اتباع کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں۔ پس کیسے آپ حکم خدا کی مخالفت کرتے ہوئے ایک مومن سے روگردانی کر سکتے ہیں؟

اگرچہ یہاں تک مکمل طور پر واضح و آشکار ہو چکا ہے کہ حق کیا ہے اور کن علماء کی طرف ہے لیکن آخر میں نتیجہ کے طور پر قلب قرآن سورہ یسین کی طرف رجوع کرتے ہیں جس میں آپ کے بارے میں اس طرح بیان ہوا ہے: «یس (اے سید و سردار) قسم ہے قرآن حکیم کی یقینا آپ مرسلین میں سے ہیں، آپ راہ راست پر ہیں"[1]۔ ان آیات سے پتہ چلتا ہے رسول خدا کا قول و فعل خدا کی مشیت کے مطابق تھا تبھی تو اس نے فرمایا کہ تم راہ راست پر ہو اور اسی طرح فرمایا. اور ہم نے ہر چیز کو امام مبین میں جمع کر دیا ہے"[2] کہ یقینا اس کا ایک مصداق، ذات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ جس میں خدا نے تمام خوبیوں کو جمع کر دیا ہے، پس مرسل (اعظم)، امام مبین اور رصراط مستقیم کے مضبوط راہی کہ جن کا ہر عمل خدا کی مرضی کے مطابق ہو۔ حتی شب ہجرت آپؐ کے دشمن کی طرف خاک پھینکنے کو بھی اپنا عمل بتایا وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ[3] لہذا ایسی ذات سے کس طرح ایسی بد اخلاقی سرزد ہو سکتی ہے؟ کہ جس پر خدا کو تنبیہ کرنے کی ضرورت پڑے، اس کے علاوہ اگر کوئی عربی سے کم واقفیت رکھنے والا بھی سورہ عبس کی دو ابتدائی آیات پر نظر ڈالے تو پتہ چل جائے گا کہ اگر رسول خدا مراد ہوتے تو مخاطب کے یہ صیغہ عبستَ (تم نے منہ پورا) و تولیتَ (اور تم نے پیٹھ پھیری) ان جاءك الاعمى (کہ تمہارے پاس نابینا آیا) ہوتے نہ غایب کے صیغے۔

اس کے علاوہ حتی قرآن کریم کی وہ آیات جو بظاہر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہیں اور ان سے تنبیہ کی بو آتی ہے ان سے مراد بھی ہمارے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں بلکہ آپؐ کی امت مراد ہے مثلا:.. لئن أشركت ليحبطن عملك ولتكونن من الخاسرين "اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے (تمام) اعمال برباد ہو جائیں گے اور تم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جاو گے۔[4] امام صادق علیہ السلام نے فرمایا خداوند عالم کا اس طرح خطاب کرنا بر سبیل "وإياك أعني واسمعي يا جارة" ہے[5]۔ یعنی پیغمبر گرامی کو خطاب فرما کر دوسروں کو خطاب کیا ہے۔ اہل سنت کے علماء اس بارے میں ہمارے ہم خیال ہیں مثلا: ابن عربی: اس آیت میں خطاب حضور پاک سے ہے لیکن مراد امت ہے کیونکہ آپ سے شرک کا سرزد ہونا شرعا محال ہے[6]۔

---

[1] ۔ یسین ۱ سے ۴

[2] ۔ یسین ۱۲

[3] سورہ انفال ۱۷

[4] ۔ علی بن ابراہیم تفسیر قمی ج ۲ ص ۲۵۱۔

[5] علی بن ابراہیم تفسیر قمی ج ۲ ص ۲۵۱۔

[6] ابن عربی احکام القران ج ۱ ص ۲۰۸ و ج ۲ ص ۲۶۰ (خطاب للامۃ باسم النبی لاستحالۃ الاشراک علیہ

قرطبی: ہمارے علماء نے کہا ہے بظاہر خطاب حضور ﷺ سے ہے لیکن مراد آپ کی امت ہے کیونکہ آپ سے شرک کا سرزد ہونا شرعاً محال ہے[1]

فخر رازی: اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ نہ حضور پاک ﷺ نے کبھی شرک کیا اور نہ کبھی اس کی طرف مائل ہوئے[2] اس قسم کے خطابات بظاہر حضور سے ﷺ ہیں لیکن مراد دوسرے ہیں اور یہ بر سبیل وإياك أعني واسمعي يا جارة، ہیں پس معلوم ہوا خدا نے آپ پر ڈھال کر امت سے خطاب کیا ہے۔ تو جب خدا نے پیغمبرؐ سے مخاطب صیغوں میں آپ کا قصد نہیں کیا تو پھر غائب کے شدید اللحن صیغوں سے آپ کا قصد کیسے کر سکتا ہے؟ جو دلیل مذکورہ بالا آیت میں اہل سنت پیش کرتے ہیں کہ آپ سے شرک کا صادر ہونا محال ہے لہذا اس آیت سے آپ کی امت مراد ہے۔ وہی دلیل ہماری بھی ہے کہ خلق عظیم کے پیکر سے اپنے ایک موذن اور مومن نابینا صحابی سے منہ بسورنے اور پیٹھ پھیرنے کی بد خلقی محال ہے لہذا "عبس" و "تولی" سے مراد کوئی اور ہے نہ حضورؐ پاک. پس ان تمام قرانی وروائی دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ "عبس" سے مراد رسول خدا کی ذات نہیں ہے بلکہ ایک اموی معروف شخص ہے اور وہ روایات جو ان آیات کا مصداق حضور پاک ﷺ کو بتاتی ہیں وہ سب جعلی ہیں اور اموی حکومت نے ایک معروف اموی شخص کی عزت بچانے کے لئے ہمارے حضور سے منسوب کی ہیں، البتہ حکومت اموی سے اس قسم کے رکیک اقدامات قطعا بعید نہیں ہیں چونکہ صحیح مسلم کی یہ روایت بخوبی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ بعد پیغمبر ﷺ اس قسم کے حاکم برسر حکومت آئے جو مجسمہ گناہ تھے جیسا کہ حذیفہ یمانی رسول اکرم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

.... يكون بعدي أئمة لا يهتدون بهداي ولا يستنون بسنتي وسيقوم فيهم رجال قلوبهم قلوب الشياطين في جثمان انس قال قلت كيف اصنع يا رسول الله ان أدركت ذلك قال تسمع وتطيع للأمير وان ضرب ظهرك واخذ مالك فاسمع وأطع... میرے بعد ایسے امام و پیشوا ہونگے جو میرے دستور و ہدایات پر نہ چلیں گے اور میری سنت پر گامزن نہ ہونگے ان میں کچھ لوگ تو ایسے ہونگے کہ جن کے انسانی جسم میں شیطان کے دل ہونگے۔ (حذیفہ کہتے ہیں) میں نے کہا: یا رسول اللہ اگر میں اس زمانہ کو پاوں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ایسے امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا، اگرچہ وہ تیری کمر توڑ دے اور تیرے مال کو چھین لے، پھر بھی اس کی سننا اور اطاعت کرنا. مذکورہ روایت میں پیامبر ﷺ کی

---

[1] قرطبی تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۴۸

[2] فخر رازی تفسیر رازی ج ۴ ص ۱۶۰

[3] ۔ فخر رازی، تفسیر رازی ج ۱۷ ص ۱۶۰

پیشین گوئی ہے کہ ان کے بعد ایسے حکمراں حکومت کریں گے جو نہ ہدایت یافتہ ہونگے اور نہ سنت رسول پر چلیں گے بلکہ ان میں کچھ تو اصلا شیطان ہونگے (لہذا ان افراد کو حدیثوں کو جعل کر کے پیغمبر ﷺ کی طرف نسبت دینے میں کیا خوف ہوگا ادھر اگر وہ اصحاب سے کہیں گے کہ حدیث گڑھو تو وہ بھی حدیث جعل کرنے میں مذائقہ نہیں کریں گے، کیوں کہ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق پیغمبر ﷺ کا فرمان ہے کہ ان کی بات کو سننا اور اطاعت کرنا، چاہے وہ تمہاری کمر توڑ ڈالیں اور تمہارے مال کو چھین لیں۔ رہے بچارے آج کے مسلمان تو وہ تمام صحابہ کو عادل مان کر ان کی ان حدیثوں کو بھی صحیح مان بیٹھیں گے، جو انھوں نے حاکموں کے خوف سے گڑھی ہونگی۔ جس کا کم از کم نتیجہ یہ ہوگا کہ خلق عظیم کا پیکر "وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی"[1] کا مصداق منہ بورنے اور پیٹھ پھیرنے والے شخص کے عنوان سے پہچانا جائے گا۔

الحمد للہ پیراوان اور شیعیان اہل بیت علیہم السلام منابع میں ظالم و جابر حکام کی اطاعت کا حکم نہیں ہے بلکہ ان کو مقابلہ کی سکت اور قدرت نہ ہونے کی صورت میں صبر کی تلقین کی گئی ہے، جیسے پیغمبر ﷺ نے کفار قریش کی آزار واذیت کے مقابلہ میں صبر کیا تھا لیکن ان کی اطاعت نہیں کی تھی، اور ظاہر ہے کہ صبر اور شے ہے اور اطاعت و پیروی اور چیز۔

آخر میں ہماری اپنے برادران اہل سنت سے ایک خواہش یہ ہے کہ اگر علماء شیعہ سورہ عبس کی ابتدائی آیات کا مصداق اپنی روایات کے مطابق خلیفہ سوم کو قرار دیتے ہیں تو ان کو ناراض نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جب اہل سنت ان کا مصداق، خود حضور پاک کو قرار دے سکتے ہیں تو پھر خلیفہ سوم کو انکا مصداق ماننے میں ناراضگی کی کیا بات ہے، کم از کم یہ حضرت رسول اللہ کی طرف نسبت دینے سے تو بہتر ہے کہ بقول قرآن جو تمام مسلمانوں کے لئے اسوہ حسنہ ہیں لقد کان فی رَسُولِ اللہِ اسوۃ حسنۃ[1]

[1] سورہ احزاب ۲۱

مذاہب خمسہ میں

نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنے کا حکم اور اس کے دلائل

ظہور مہدی القمی

پورا عالم اسلام فقہی اعتبار سے پانچ مذہبوں پر منقسم و مشتمل ہے، یعنی وہ اپنے دینی و شرعی فروع، احکام اور مسائل میں ان پانچ "فقہوں "میں سے کسی ایک فقہ کی طرف رجوع کرتا ہے:

۱۔ فقہ جعفری:

یہ فقہ دراصل اہل بیت طاہرین علیہم السلام کی فقہ ہے، لیکن ائمہ اہل بیت علیہم السلام میں چونکہ سب سے زیادہ دینی حقائق و معارف اور شرعی احکام و مسائل کی تبیین و تبلیغ کا موقع حجت خداوند متعال، فرزند رسول حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو میسر ہوا ہے، اس لئے اس "فقہ "کو ان کی ذات گرامی سے نسبت دیتے ہوئے "فقہ جعفری "کہا جاتا ہے اور اس "فقہ و مذہب "کی طرف مکمل طور پر رجوع کرنے اور اسے باقاعدہ ماننے والوں کو "امامیہ "یا "شیعہ اثنا عشری "مسلمان کہا جاتا ہے، لیکن اہل سنت و الجماعت وہ مسلمان ہیں جن کے درمیان چار فقہی مذاہب پائے جاتے ہیں اور ان چاروں میں سے جو جس مذہب کا اتباع کرتا ہے، اسے اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ان چار فقہی مذاہب کے چار فقہا اور امام ہیں، جن کے نام یہ ہیں:

۱. امام ابو حنیفہ ۲. امام مالک ۳. امام شافعی ۴. امام احمد ابن حنبل۔

۲۔ فقہ حنفی:

یہ فقہ امام ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت کی طرف منسوب ہے اور اس فقہ کے ماننے والے سنی مسلمانوں کا گروہ "حنفی "کہلاتا ہے۔

۳۔ فقہ مالکی:

یہ فقہ امام مالک ابن انس کی طرف منسوب ہے اور سنی مسلمانوں کا جو گروہ اس فقہ کی پیروی کرتا ہے، اسے "مالکی "کہا جاتا ہے۔

۴۔ فقہ شافعی:

یہ فقہ امام محمد ابن ادریس شافعی کی طرف منسوب ہے اور سنی مسلمانوں کا جو گروہ اس کا پیرو ہے، اسے "شافعی "کہا جاتا ہے۔

۵۔ فقہ حنبلی:

یہ فقہ امام "احمد ابن حنبل "کی طرف منسوب ہے اور اسے ماننے والے سنی مسلمان "حنبلی "کہلاتے ہیں۔

اس تمہیدی مطلب کے بعد اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ جس کا جائزہ مذکورہ پانچ فقہی مذاہب کے اعتبار سے لینا ہے اور وہ موضوع یہ ہے کہ مذکورہ پانچ فقہی مذاہب کی نگاہ میں نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنے کا کیا حکم ہے اور اس حکم کی دلیلیں کیا ہیں؟

مذہب جعفری کی نگاہ میں اس کا حکم:

امامیہ اور شیعہ اثنا عشری علماء میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ:

نماز پڑھنے والے کے سامنے سے کسی کا بھی کسی صورت میں گزرنا حرام ہے، بلکہ ان میں سے بہت سوں نے تو اس کی طرف کوئی اشارہ ہی نہیں کیا ہے اور کراہت کا نام تک ذکر نہیں کیا ہے، البتہ بعض نے اسے مکروہ جانا ہے۔[1]

صاحب جواہر الکلام کہتے ہیں کہ:

نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنا ممکن ہے واجب یا مستحب یا مباح ہو، لیکن نصوص میں سے کوئی بھی نص مجھے ایسی نہیں ملی ہے جو نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنے کو مکروہ قرار دیتی ہو۔[2]

یعنی علمائے امامیہ کے نزدیک نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنا حرام تو کیا اکثر کے نزدیک مکروہ بھی نہیں ہے اور اس سے قطعاً نماز باطل نہیں ہوتی، نیز جنھوں نے اس عمل کو مکروہ قرار دیا ہے، انھوں نے اس کی کوئی معتبر و مستحکم دلیل بیان نہیں کی ہے۔

علمائے امامیہ کے دلائل:

اس سلسلہ میں علمائے امامیہ کے دلائل پیش کرنے سے پہلے یہ روایت نقل کرنا نہایت شائستہ ہے کہ حجت خداوند منان، فرزند رسول حضرت امام محمد باقر علیہ الصلوۃ والسلام نے صحابی رسول وائمہ جابر ابن عبد اللہ انصاری سے فرمایا ہے کہ:

اے جابر! اگر ہم اپنی نگاہ و نظر اور ہوا و ہوس سے لوگوں کو فتوی دیں تو ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوں گے، لیکن ہم تو ان آثار و اصول کے مطابق فتوی دیتے ہیں، جو حضرت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے ہمارے لئے میراث میں چھوڑے ہیں اور ہم اس (میراث) کی ایک گراں بہا خزانہ کے مانند اس طرح حفاظت کرتے ہیں کہ جس طرح لوگ سونے چاندی کی حفاظت کرتے ہیں۔[3]

---

[1] ۔ النہایہ شیخ طوسی، چاپ دار الکتب العربی قم، ص ۹۵۔

[2] ۔ جواہر الکلام نجفی، چاپ دار الکتب العربی قم، ج ۸، ص ۴۰۵

[3] ۔ بصائر الدرجات فی فضائل آل محمد ابن صفار، ص ۲۹۹۔

اس روایت سے صاف واضح ہے کہ مولا امیر المؤمنین امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے لے کر امام عصر علیہ السلام تک ہر امام جو بھی بعنوان دین و شریعت بیان فرماتا ہے، وہ در حقیقت سرکار رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اقوال و احادیث پر مشتمل ہوتا ہے۔

اس ضروری صراحت کے بعد ہم مذکورہ حکم سے متعلق علمائے امامیہ کے بہت سے دلائل میں چند دلائل کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

۱۔ روایت محمد ابن ابراہیم:

وعن محمد ابن ابراهيم عن إِسْحَاقَ الطَّالَقَانِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الرُّمَيْحِيِّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى بْنِ هَارُونَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَكَرِيَّا الْمَكِّيِّ عَنْ مُنِيفٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ ع قَالَ كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ع يُصَلِّي فَمَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ رَجُلٌ فَنَهَاهُ بَعْضُ جُلَسَائِهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ لَهُ لِمَ نَهَيْتَ الرَّجُلَ فَقَالَ يَا ابْنَ رَسُولِ اللَّهِ خَطَرَ فِيمَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الْمِحْرَابِ فَقَالَ وَيْحَكَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ أَقْرَبُ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَخْطُرَ فِيمَا بَيْنِي وَ بَيْنَهُ أَحَدٌ[1]

اس روایت میں وارد ہوا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نماز میں مشغول تھے کہ ایک مرد آپ کے آگے سے گزرا تو حضرت کے ہمنشین افراد میں سے ایک نے اسے گزرنے سے منع کیا۔

جب حضرت کی نماز تمام ہوئی تو آپ نے اس سے فرمایا: تو نے کیوں اسے منع کیا؟

اس نے کہا: اے فرزند رسول اس نے آپ کے اور محراب کے درمیان فاصلہ پیدا کر دیا تھا۔

(یہ سن کر) آپ نے فرمایا: تیرے حال پر وائے ہو!! اللہ مجھ سے کہیں زیادہ نزدیک ہے، اس سے کہ کوئی میرے اور اس کے درمیان فاصلہ پیدا کرے۔

۲۔ روایت علی ابن ابراہیم:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ رَفَعَهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ دَخَلَ أَبُو حَنِيفَةَ عَلَى أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع فَقَالَ لَهُ رَأَيْتُ ابْنَكَ مُوسَى يُصَلِّي وَ النَّاسُ يَمُرُّونَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَا يَنْهَاهُمْ وَ فِيهِ مَا فِيهِ فَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ ع ادْعُوا لِي مُوسَى فَدُعِيَ فَقَالَ يَا بُنَيَّ إِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ يَذْكُرُ أَنَّكَ كُنْتَ صَلَّيْتَ وَ النَّاسُ يَمُرُّونَ بَيْنَ يَدَيْكَ فَلَمْ تَنْهَهُمْ فَقَالَ نَعَمْ يَا أَبَتِ إِنَّ الَّذِي كُنْتُ أُصَلِّي لَهُ كَانَ أَقْرَبَ إِلَيَّ مِنْهُمْ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ وَ نَحْنُ

[1] ۔ وسائل الشیعہ شیخ حر عاملی، ج ۳، باب ۱۱ عدم بطلان الصلوۃ بمرور شیٔ قدام المصلی، ح ۶۱۳۰۔

أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ قَالَ فَضَمَّهُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ ع إِلَى نَفْسِهِ ثُمَّ قَالَ يَا بُنَيَّ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي يَا مُسْتَوْدَعَ الْأَسْرَارِ۔[1]

اس روایت میں وارد ہوا ہے کہ ایک دن ابو حنیفہ حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہنے لگے کہ میں نے آپ کے بیٹے موسی کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور لوگ ان کے سامنے سے گزر رہے ہیں لیکن وہ انھیں منع نہیں کر رہے ہیں۔۔۔

پس امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: موسی کو میرے پاس بلا کر لاؤ، وہ آئے تو آپ نے فرمایا: اے مرے لال، یہ ابو حنیفہ کہہ رہے ہیں کہ تم نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ تمھارے آگے سے گزر رہے تھے لیکن تم نے انھیں منع نہیں کیا؟

پس انھوں (امام موسی کاظمؑ) نے فرمایا: جی بابا میں جس ذات کے لئے نماز پڑھ رہا تھا وہ ذات مجھ سے کہیں زیادہ قریب ہے، ان (گزرنے والے لوگوں) کے مقابلہ میں۔

اللہ عزوجل نے تو خود فرمایا ہے: نحن اقرب الیه من حبل الورید (ہم اس سے شہ رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں) پس (یہ جواب سن کر) امام صادق علیہ السلام نے انھیں اپنے سینہ سے لپٹایا اور اس کے بعد فرمایا: اے مرے لال!! میرے باپ اور ماں تم پر قربان ہوں اے اسرار و رموز کے امانتدار۔

۳۔ روایت غلام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام:

فِي الْعِلَلِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ إِدْرِيسَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَحْمَدَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْجَعْفَرِيِّ عَنْ أَبِي سُلَيْمَانَ مَوْلَى أَبِي الْحَسَنِ الْعَسْكَرِيِّ ع قَالَ سَأَلَهُ بَعْضُ مَوَالِيهِ وَ أَنَا حَاضِرٌ عَنِ الصَّلَاةِ يَقْطَعُهَا شَيْءٌ يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي فَقَالَ لَا لَيْسَتِ الصَّلَاةُ تَذْهَبُ هَكَذَا بِحِيَالِ صَاحِبِهَا إِنَّمَا تَذْهَبُ مُسَاوِيَةً لِوَجْهِ صَاحِبِهَا[2]

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا غلام ابو سلیمان کہتا ہے کہ:

میری موجودگی میں ان (امام حسن عسکری علیہ السلام) کے بعض غلاموں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ:

اگر مصلی کے سامنے سے کوئی چیز (انسان یا حیوان وغیرہ) گزر جائے تو کیا اس کی نماز منقطع ہو جاتی ہے؟

آپ نے فرمایا: نہیں!! نماز اس (نمازی) کے روبرو اس قسم کی چیزیں ہونے سے باطل نہیں ہوتی، وہ تو نماز پڑھنے والے کے سر کی طرف سے ہوتی ہوئی آسمان کی جانب چلی جاتی ہے۔

---

[1] ۔ حوالہ سابق، ح ۶۱۳۷

[2] ۔ حوالہ سابق، ح ۶۱۳۱۔

مذکورہ روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عمل حرام نہیں ہے اور اس سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے، بلکہ اس عمل کا مکروہ ہونا بھی بعید معلوم ہوتا ہے۔

مذاہب اہل سنت کی نگاہ میں اس کا حکم:

قابل ذکر ہے اہل سنت کے فقہی مذاہب کے درمیان اس مسئلہ میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔

بعض اسے حرام، بعض مکروہ اور بعض مباح جانتے ہیں جس کو ہم اجمالا ذیل میں بیان کر رہے ہیں۔

مذہب حنفی کی نگاہ میں اس کا حکم:

اس مسئلہ میں حنفی علماء کے درمیان قدرے اختلاف پایا جاتا ہے:

۱۔ محمد ابن احمد سرخسی حنفی کا قول ہے:

یکرہ للمار ان یمر بین یدی المصلی[۱]

مکروہ ہے گزرنے والے کے لئے کہ وہ نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرے۔

۲۔ ابو بکر کاشانی حنفی کا قول بھی سرخسی کے مانند ہے[۲]

۳۔ علی ابن ابو بکر مرغینانی حنفی کا قول یہ ہے:

المار آثم، یعنی نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنے والا گناہگار ہے۔[۳]

۴۔ جمال الدین محبوبی حنفی کا قول ہے:

و یاثم بالمرور امام المصلی فی مسجد صغیر[۴]

اگر کوئی چھوٹی سی مسجد میں نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرے تو گناہگار ہے۔

مذہب مالکی کی نگاہ میں اس کا حکم:

۱۔ محمد ابن احمد قرطبی مالکی کا قول ہے:

نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنا شدید کراہت رکھتا ہے اور جو عمدا ایسا کرے وہ گناہگار ہے۔[۵]

۲۔ خلیل ابن اسحاق مالکی کا قول ہے:

---

[۱] ۔ المبسوط سرخسی، چاپ دار الفکر بیروت، ج۱، ص ۱۹۲۔

[۲] ۔ الفقہ المقارن، علی اصغر مروارید، ج۵، ص ۲۸۸۔

[۳] ۔ حوالہ سابق، ج۶، ص ۶۱۲۔

[۴] ۔ حوالہ سابق، ج۶، ص ۶۸۰۔

[۵] ۔ حوالہ سابق، ج۶، ص ۷۹۵۔

جس کے لئے کسی دوسری جگہ سے گزرنا ممکن ہو اگر وہ نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرے تو یہ عمل حرام ہے اور وہ گناہگار ہے[1]

۳۔ دسوقی مالکی اس مسئلہ میں تفصیل کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ:

اگر مسجد الحرام کے علاوہ نمازی کہیں اور نماز پڑھ رہا ہو، چاہے اس کے آگے حجاب و مانع کے طور پر کچھ رکھا ہو یا نہ رکھا ہو اور گزرنے والے کے لئے کوئی دوسرا راستہ ہو مگر پھر بھی وہ نمازی کے آگے سے گزرے تو حرام ہے، اگر کوئی دوسرا راستہ نہ ہو اور نمازی کے آگے کوئی چیز حجاب اور مانع کے طور پر ہو یا نہ ہو پھر گزرنا حرام نہیں ہے۔

اگر نمازی مسجد الحرام میں ہو اور اس کے سامنے مانع اور حاجب بھی ہو اور گزرنے والے کے لئے دوسرا راستہ بھی ہو تو اس کا نمازی کے سامنے سے گزرنا حرام ہے ورنہ جائز ہے، لیکن طواف کرنے والے کے لئے مطلقا حرام نہیں ہے، چاہے نمازی اپنے آگے مانع و حاجب بھی رکھے ہوئے ہو۔[2]

مذہب شافعی کی نگاہ میں اس کا حکم:

۱۔ حسین ابن مسعود بغوی شافعی کا قول ہے کہ:

کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ نماز پڑھنے والے اور سترہ (مانع و حاجب) کے درمیان سے عبور کرے[3]

۲۔ عبد الکریم رافعی شافعی کا قول ہے کہ:

نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنا مکروہ ہے[4]

۳۔ نووی شافعی نے جوینی شافعی کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ:

گزرنے کو منع کرنا اور گزرنے والے کو دفع کا امر کرنا اس صورت میں ہے جب کہ گزرنے والے کے لئے کوئی دوسرا راستہ ہو، لیکن اگر لوگوں کا ہجوم ہو تو گزرنے کو منع نہیں کرنا چاہیئے اور اس صورت میں گزرنے والے کو روکنا بھی جائز نہیں ہے۔[5]

علمائے شافعیہ کے درمیان اس حکم میں اختلاف واضح ہے۔

مذہب حنبلی کی نگاہ میں اس کا حکم:

۱۔ ابن قدامہ حنبلی نے کہا ہے کہ:

---

[1] ۔ حوالہ سابق، ج ۶، ص ۱۰۶۰۔

[2] ۔ الحاشیہ علی الشرح الکبیر دسوقی، چاپ دار الکتب قم، ج ۱، ص ۳۹۵۔

[3] ۔ التھذیب بغوی شافعی، چاپ دار الکتب العلمیۃ بیروت، ج ۲، ص ۱۶۵۔

[4] ۔ فتح العزیز فی شرح العزیز، چاپ دار الفکر بیروت، ج ۴، ص ۱۳۲، ۱۳۱۔

[5] ۔ المجموع شرح المہذب امام نووی، ج ۳، ص ۲۴۹۔

کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرے اگر اس کے سامنے مانع و حاجب موجود نہ ہو، اور مانع و حاجب موجود ہو تو بھی اس کے اور نماز پڑھنے والے کے درمیان سے عبور نہیں کرنا چاہیئے۔[1]

۲۔ ابن مرداوی حنبلی نے صراحت کی ہے کہ:

ابن زرین حنبلی کا کہنا ہے کہ بنابر قول اصح یہ عمل حرام ہے جبکہ قاضی حنبلی اور ابن عقیل حنبلی وغیرہ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے[2]

اس مسئلہ میں مذکورہ بیان سے حنبلیوں میں بھی جو اختلاف ہے وہ آشکار ہے۔

حرمت یا کراہت کے قائلین کے دلائل:

یہ دلائل متعدد روایتوں پر مشتمل ہیں، بعض نے ان روایتوں سے حرمت کا استنباط کیا ہے اور بعض نے کراہت کا۔

ان میں سے ہم فقط اس ایک روایت کو نقل کر رہے ہیں جو حرمت یا کراہت کے قائلین کی اصلی ترین سند و دلیل ہے اور وہ "روایت ابو جہیم انصاری" ہے:

امام مالک ابن انس نے الموطا میں عمر ابن عبید اللہ کے غلام ابو النصر اور اس نے بسر ابن سعید سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

زید ابن خالد نے بسر کو اس لئے ابو جہیم کے پاس بھیجا تاکہ وہ سوال کرے کہ اس نے پیغمبر سے نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنے والے کے بارے میں کیا سنا ہے؟

ابو جہیم نے کہا کہ پیغمبر نے فرمایا ہے کہ:

اگر کوئی نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرے تو جان لے کہ کیا چیز اس کے اوپر آئی ہے، اگر وہ چالیس۔۔۔ کھڑا رہے تو اس کے لئے یہ بہتر ہے کہ اس کے آگے سے گزرے۔

ابو النصر کہتا ہے کہ میں نہیں سمجھا کہ اس نے چالیس دن کہا ہے یا چالیس ماہ یا چالیس سال[3]

لیکن اصحاب ستہ میں سے باقاعدہ ایک گروہ نے اس روایت کو دوسرے مختلف طریقوں سے نقل کیا ہے۔

یہی وہ روایت ہے جسے مذکورہ عمل کے حرام یا مکروہ ہونے پر سنی فقہاء نے اپنا اصلی مآخذ و مدرک قرار دیا ہے۔

---

[1] ۔ المغنی ابن قدامہ، ج ۲، ص ۷۶۔

[2] ۔ الانصاف مرداوی، ج ۴، ص ۹۴۔

[3] ۔ الموطا امام مالک ابن انس، چاپ دار الاحیاء التراث العربی بیروت، ج ۱، ص ۱۵۴۔

حد یہ ہے کہ جو علمائے امامیہ اس عمل کے مکروہ ہونے کے قائل ہیں، انھوں نے بھی اس روایت کے علاوہ کسی معتبر نص کا ذکر نہیں کیا ہے۔

نقد بر استنباط حرمت:

۱۔ اس روایت کو مختلف الفاظ کے ساتھ متعدد اہل مسانید نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، لیکن ان میں سے کوئی ایک نقل بھی ایسی نہیں ہے جو اس عمل کے حرام ہونے پر آشکارا دلالت کرتی ہو۔

۲۔ اس روایت کی سند میں اشکال ہے چونکہ ابو جہیم انصاری ایک مجہول آدمی ہے اور افتاء کے حوالہ سے قابل اعتماد نہیں ہے، جیسا کہ تہذیب التھذیب میں مزی کے بیان سے ظاہر و ثابت ہے۔[1]

قابل ذکر ہے کہ اس عمل کے سلسلہ میں دیگر روایات بھی اسی طرح کی دلالی اور سندی مشکل سے دو چار ہیں، بنابر این اس کی حرمت پر دلالت کرنے سے قاصر ہیں۔

رہ جاتی ہے کراہت کی بات!! تو اس کی حجیت بھی پہلی روایت کے صحیح ہونے پر منحصر ہے در حالیکہ سند و دلالت کے اعتبار سے ہم اس میں مناقشہ کر چکے ہیں۔

آخر کلام میں عرض ہے کہ اس موضوع کی تحقیق و تبیین کے لئے واقعا ایک کتاب درکار ہے اور اس مختصر مقالہ میں اس کے حق کی ادائیگی قطعا میسور و مقدور نہیں ہے۔

مجھ حقیر نے خوف طوالت کی وجہ سے جو کچھ اس مقالہ میں بیان کیا ہے وہ نہایت اختصار و اجمال کے ساتھ بیان کیا ہے۔

امید ہے کہ قارئین کرام میری اس مجبوری و کوتاہی کو قابل عفو قرار دیں گے۔

[1] ۔ تہذیب التھذیب مزی، چاپ دار الفکر بیروت، ج ۱۲، ص ۵۳

امام خمینیؒ کے عرفانی افکار

سید اشہد حسین نقوی

عرفان کی تعریف:

عرفان لغت میں شناخت، پہچان، آگاہی اور معرفت کے معنی میں ہے لیکن اصطلاح میں اُس علم کو کہا جاتا ہے جس کا موضوع اور عنوان ہستی مطلق، وجود لایزال، خدائے واحد و احد، لم یلد و لم یولد اور اس کے اسماء و صفات کی شناخت ہے۔[1]

خداوند متعال کی شناخت کے دو طریقہ ہیں، ایک براھین اور دلیلوں کے ذریعہ مبرہین اور مدلل تک پہنچا جائے دوسری عبارت میں یوں کہا جائے کہ اثر سے موثر تک پہنچنے کا طریقہ یا صفات سے ذات تک پہنچنا، یہ حکماء و متکلمین کی روش اور ان کا طریقہ ہے جبکہ دوسری روش تذکیہ باطن اور تخلیہ روح کی ہے، یہ شیوہ اور طریقہ انبیاء اور اولیائے الھی نیز عرفاء کا ہے کہ جس میں دعا و عبادت اور خدا سے راز و نیاز کا اہم رول اور کردار ہے۔

عرفاء معتقد ہیں کہ انسان تذکیہ باطن اور تخلیہ روح کی کچھ منزلیں طے کرنے کے بعد اپنی ظرفیت اور توانائی کے بقدر خداوند متعال کی معرفت حاصل کر سکتا ہے در حقیقت عرفاء اور حکماء کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ عرفاء عقلی دلیلوں پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ کشف و شھود کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔[2] جیسا کہ خداوند متعال کا قران کریم میں ارشاد ہے: «رِجَالٌ لاَّ تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلاَ بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّهِ وَإِقَامِ الصَّلاَةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْماً تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ» ۔[3] "وہ مرد جنہیں کاروبار یا دیگر خرید و فروخت ذکر خدا، قیام نماز اور ادائے زکات سے غافل نہیں کر سکتی یہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن کے ہول سے دل اور نگاہیں سب الٹ جائیں گی"۔

نیز روایت میں ذکر ہے: «العارف شخصه مع الخلق و قلبه مع الله، و العارف أمين و قائع الله و كنز أسراره و معدن أنواره، لا مونس له سوى الله و لا نطق و لا إشارةٌ و لا نَفَسٌ إلا بالله و لله و من الله و مع الله»؛[4] عارف کا جسم اور بدن مخلوقات کے درمیان ہے لیکن اس کا دل اور اس کی روح خدا کے ساتھ ہے، عارف، خدا کا امین و محافظ، اس

---

[1] ۔ لغت نامہ، دہخدا، لفظ عرفان۔

[2] ۔ مفاتیح الاعجاز فی شرح گلشن راز، شمس الدین محمد بن یحیی لاہیجی، ص ۷؛ گوہر مراد، عبد الرزاق لاہیجی ک، ص ۱۵-۱۷۔

[3] ۔ ترجمہ قران کریم، علامہ سید ذیشان حیدر جوادی، سورہ نور، ایت ۳۷۔

[4] مصباح الشریعہ، امام جعفر صادق (ع)، باب ۹۱، ص ۱۹۱۔

کے اسرار کا خزانہ، اس کے نور کا مخزن ہے اور خدا کے سوا کوئی اس کا مونس و ھمدم نہیں، اس کی باتیں، اس کے اشارے، اس کی سانسیں فقط و فقط خدا کیلئے ہیں، خدا کی جانب سے ہیں اور خدا کے ہمراہ ہیں۔

امام خمینی اور عرفان :

امام خمینیؒ جہاں عظیم فقیہ، بے مثال سیاستدار، بے نظیر رہبر ہیں وہیں عرفان کی وادیوں میں معرفت خدا کی بلندیوں پر گامزن ہیں، آپ عرفان کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ فلسفی کتابیں اور تعلیمات، انسان کو دور سے ماورائے طبیعت سے آشنا کرتی ہیں جبکہ عرفانی مکتوبات، دلوں کو محبوبِ مطلق کے وصال کیلئے آمادہ کرتی ہیں، آپ کے تین عرفانی مکتوبات ایسے ہی مطالب سے لبریز اور بھرپور ہیں کہ جب انسان ان کا مطالعہ کرتا ہے تو حقیقت عرفان تک پہنچنے کیلئے آمادہ و شیفتہ ہوجاتا ہے، امام خمینیؒ نے اپنی بہو "فاطمہ طباطبائی" کہ جنھیں آپ پیار سے "فاطی" کہتے تھے کے اصرار پر ایک عرفانی مکتوب قلمبند فرمایا، جو نہایت عمیق اور خوبصورت مطالب پر مشتمل ہے اور اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

فاطی کہ ز من نامہ عرفانی خواست　　　از مورچہ ای تخت سلیمانی خواست

گویی نشنیدہ «ماعرفناک» از آنک بہ　　　جبریل از او نفخہ رحمانی خواست۔[1]

اپ اپنی اس تحریر میں اس آیت کریمہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے قلمبند فرماتے ہیں:

«فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِى فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ»[2]

ترجمہ: یہ دین وہ فطرت الہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور خلقت الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے۔

"وَ انْ مِنْ شَيْءٍ الَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَ لكِنْ لا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ"[3]

ترجمہ: اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اس کی تسبیح نہ کرتی ہو یہ اور بات ہے کہ تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو۔

امام خمینیؒ کی نگاہ میں ناممکن ہے کہ انسان کا رجحان، کمال مطلق کے سوا کسی اور جانب ہو اور انسان، خدا کے سوا کسی اور سے دل لگائے، تمام جانیں اسی کی جانب اور تمام دل اس کی سمت ہیں، اس کے سوا کسی اور کو تلاش نہ کرے اور پانے کی کوشش بھی نہ کرے، کسی اور کی مدح و ثنا نہ کرے کہ وہ اس لائق نہیں، خدا کے سوا دوسرے کی مدح و ثنا کرنے والا در حقیقت حجاب اور پردے میں رہ کر دوسرے کا ثناگر ہے، کمالات کے تشنہ کاموں کو فقط و فقط کمال مطلق ہی کی تلاش رہتی ہے، ناقص اور ادھورا کمال اُنہیں پسند نہیں، کیوں کہ ہر کمالِ ناقص، عدم کے حدود میں ہے اور انسانی فطرت عدم سے متنفر ہے، علم کے تشنہ افراد کو علم مطلق کی

[1] ۔ صحیفہ امام، ج ۱۸، ص ۴۴۲ الی ۴۵۸۔

[2] ۔ ترجمہ قران کریم، علامہ سید ذیشان حیدر جوادی، روم ایت ۳۰۔

[3] ۔ ترجمہ قران کریم، علامہ سید ذیشان حیدر جوادی، اسراء، ایت ۴۴۔

ہی تلاش ہوتی ہے اور وہ علم مطلق سے ہی سیراب ہوتے ہیں اگرچہ یہ چیز فقط علم سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر مطلوبہ چیز کے سلسلہ میں انسان کا یہی نظریہ ہے چاہے قدرت ہو چاہے ثروت اور مزاج میں تبدیلی ناممکن ہے جیسا کہ قران کریم نے ارشاد فرمایا: «لا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذلِكَ الدِّينُ الْقَيِّم»، [1] ترجمہ: خلقت الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے یقیناً یہی سیدھا اور مستحکم دین ہے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک انسان اپنے حجاب اور پردے میں ہے اپنے میں ہی مشغول رہتا ہے، اسے اس مرحلہ سے نکلنے کے لئے کوشش و مجاہدت کے سوا الٰہی عنایت کی بھی ضرورت ہے جیسا کہ ہم مناجات شعبانہ میں پڑھتے ہیں «الهی هَبْ لی كَمالَ الْانْقِطاعِ الَيْكَ وَ انِرْ ابْصارَ قُلُوبِنا بِضِياءِ نَظَرِها الَيْكَ حَتّى تَخْرِقَ ابْصارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ الى مَعْدِنِ الْعَظَمَة وَ تَصيرَ ارْواحُنا مَعلَّقة بِعِزِّ قُدْسِكَ. الهی وَ اجْعَلْنی مِمَّنْ نادَيتَهُ فَاجابَكَ وَلاحَظْتَهُ فَصَعِقَ لِجَلالِكَ فَناجَيْتَه سِرّاً» [2]

میرے خدا مجھے توفیق دے کہ میں تیری بارگاہ کا ہو جاؤں اور ہمارے دلوں کی آنکھیں جب تیری طرف نظر کریں تو انہیں نورانی بنا دے تاکہ یہ دیدہ ہائے دل حجابات نور کو پار کر کے تیری عظمت و بزرگی کے مرکز سے جاملیں اور ہماری روحیں تیری پاکیزہ بلندیوں پر آویزاں ہو جائیں، میرے خدا! مجھے ان لوگوں میں رکھ جن کو تو نے پکارا تو انہوں نے جواب دیا، تو نے ان پر توجہ فرمائی تو انہوں نے تیرے جلال کا نعرہ لگایا۔

صوفی! زرہ عشق صفا باید کرد　　عہدی کہ نمودہ ای وفا باید کرد
تا خویشتنی بہ وصل جانان نرسی　　خود را بہ رہِ دوست فنا باید کرد

آپؒ اپنی ایک تحریر میں قلمبند فرماتے ہیں: اگر انسان، مخلوقات خدا کی عظمت و بلندی کے سلسلہ میں ذرہ برابر بھی غور کرے کہ ان تمام ترقیوں کے باوجود فقط اس کے ایک ذرہ سے ہی آگاہ ہوسکا ہے تو اپنی حقارت اور جہالت کا اندازہ لگالے گا، قران کریم نے حضرت سلیمان نبی اللہ علیہ السلام اور چیونٹیوں کی وادی کی داستان بیان کرتے ہوئے فرمایا: « قالَتْ نَمْلَةٌ يا ايُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَساكِنَكُمْ لا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمانُ وَ جُنُودُهُ وَهُمْ لا يَشْعُرُونَ» ۔ [3]

چیونٹی نے آواز دی کہ چیونٹیوں سب اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں پامال نہ کر ڈالے اور انہیں اس کا شعور بھی نہ ہو۔

---

[1] ۔ ترجمہ قران کریم، علامہ سید ذیشان حیدر جوادی، روم، ایت ۳۰۔
[2] ۔ مفاتیح الجنان، شیخ عباس قمی، مناجات شعبانیہ۔
[3] ۔ ترجمہ قران کریم، علامہ سید ذیشان حیدر جوادی، سورہ نمل، ایت ۱۸۔

جناب سلیمان علیہ السلام کہ جو عظیم المرتبت نبی ہیں اور خداوند متعال نے انہیں علم کی عظیم دولت سے نوازا ہے، باعظمت حکومت عطاکیا ہے لیکن چیونٹی نے انہیں نادان کے خطاب سے نوازا، یا ہدہد نے انہیں خطاب کر کے کہا: «اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ»[1] [ہدہد نے کہا] مجھے ایک ایسی بات معلوم ہوئی ہے جو آپ کو بھی معلوم نہیں ہے۔، جن کے دل حجابات میں چھپے ہیں اور ان پر پردے پڑے ہوئے ہیں وہ نہ اسے سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں آسمان و زمین کے ذرہ ذرہ کی تسبیحات کی خبر ہوگی، جیسا کہ قران کریم میں فرمایا: «تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا»[2]

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اس کی تسبیح نہ کرتی ہو یہ اور بات ہے کہ تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو. پروردگار بہت برداشت کرنے والا اور درگذر کرنے والا ہے۔

امام خمینی (رہ) اپنے عزیز القدر بیٹے حجت الاسلام و المسلمین حاج سید احمد خمینیؒ کو ایک خط میں تحریر کرتے ہیں :میرے عزیز اور پیارے بیٹے! پہلے علم کے سہارے آہستہ آہستہ آگے بڑھئے! اور یاد رہے ہر علم چاہے جس چیز کا بھی ہو حجاب اکبر اور پردہ ہے کہ حجاب کی اس فضا میں داخل ہو کر حجاب سے نکلنے کے طریقہ سے آشنا ہوں گے، آئے ملکر اپنے ضمیر کی جانب قدم بڑھاتے ہیں کہ شاید کوئی راستہ نکل آئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ہر انسان بلکہ ہر موجود مزاجا اور فطرتا عاشق کمال اور نقائص سے متنفر ہے، اگر کوئی علم کی تلاش میں ہے تو وہ اس وجہ سے ہے کہ علم کمال ہے، اسی بنیاد پر ناممکن ہے کہ انسان کا قدم کسی ایک علم پر جاکر تھم جائے اور وہ قانع ہو جائے بلکہ جتنا ہو سکتا ہے اتنا ہی زیادہ علم گہرائیوں میں اترتا جاتا ہے اور مختلف علوم کو حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے[3] اس میں کوئی شک نہیں کہ عرفان اسلامی کا اہم اور بنیادی منبع قرآن کریم ہے، تمام اہل ذوق و عرفان نے اسی مقدس اور نورانی کتاب کو اپنے عرفانی نظریات کی بنیاد قرار دیا، حضرت امام خمینیؒ نے بھی دیگر تمام علمائے ربانی کی طرح قران کریم پر خاص توجہ رکھی، آپ کے دروس اخلاق میں شریک علمائے کرام اس بات کے عینی شاھد ہیں۔ عظیم المرتب عالم دین علامہ سید محمد جعفریؒ کہ جو امام خمینیؒ کے دروس اخلاق میں حاضر رہیں ہیں اس سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں: عرفانی لحاظ سے آپ کے دروس اخلاق بہت ہی عمیق تھے، امام خمینیؒ کا ظاھر اور آپ کا باطن اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ آپ الہی عنایات سے سرشار ہیں۔[4]

---

[1] ترجمہ قران کریم، علامہ سید ذیشان حیدر جوادی، سورہ نمل، ایت ۲۲۔

[2] ترجمہ قران کریم، علامہ سید ذیشان حیدر جوادی، سورہ اسراء، ایت ۴۴۔

[3] ۔۔ محرم راز، روح اللہ موسوی الخمینی، ص ۱۳۔

[4] ۔ سابق، ص ۱۰۶۔

دینی تعلیم کی پیشرفت کی تجاویز

سید مختار حسین

ارشاد رب العزت ہے؛ فلولا نفر من کل فرقة منهم طآئفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون،

تم میں سے ہر فرقے سے ایک طائفہ کیوں کوچ نہیں کرتا اور اپنے گھربار کو چھوڑ کر ایسی جگہ کیوں نہیں جاتا کہ جہاں وہ دینی تعلیم حاصل کرے اور واپس آکر اپنی قوم میں انذار کا فرض نبھائے تاکہ وہ بچ جائیں،[1]

آیہء کریمہ، علم، عالم، متعلم، معلم، مہد علم، علم کے لیے ہجرت، حصول علم کے بعد واپسی اور واپس آنے کے بعد تعلیم وتنذیر، تبلیغ و تشریح، درس و تدریس، نہج تدریس، وجوب درس و تدریس اور مکان و مقام تدریس و تبلیغ اور اسی قبیل کے دوسرے موضوعات کی بیشمار اہمیت پر دلالت کرتی ہے اور اس آیت کے ہوتے ہوئے علم سے متعلق کسی بھی موضوع و مفہوم کی عظمت اہمیت اور مطلوبیت کو ثابت اور اظہر من الشمس کرنے کے لیے مزید کسی آیت و حدیث کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، آیت کی پکڑ، گرفت اور گہرائی و گیرائی اس قدر عام اور مضبوط ہے کہ جو متعلم و معلّم کی ہر طرح کی تشنگی کو بجھانے کے لیے معارف دین کے آب زلال کا ایک سمندر اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

آیت میں لیتفقهوا فی الدین کی تعبیر عمیق ہے جس کا مطلب ایسی دینی تعلیم کا حصول ہے جو ہر طرح سے جامع اور مانع ہو، اور تعلیم کے حصول کے لیے دوسری تمام چیزوں کے ساتھ ایک مکان کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور اس مکان کا نام فی زمانہ مدرسہ ہے جس کی جمع مدارس ہے، اور دینی مدارس کی پیشرفت کی تجاویز ہماری ان چند سطروں پر مشتمل تحریر کا موضوع ہے،

ضرورت اور اہمیت؛

ہر دور کی طرح اس دور میں بھی مدارس کسی سماج اور معاشرے کی بقا میں ریڑھ کی ہڈی کا کام کرتے ہیں چنانچہ اگر ریڑھ کی ہڈی میں سقم پیدا ہو جائے تو پورا معاشرہ سقیم اور مفلوج ہو جائے گا، جس کی حیات کسی اور بیساکھی پر ٹک ہی نہیں سکتی، مدارس کی پیشرفت کے لیے ان تمام چیزوں کا محکم اور استوار ہونا ضروری ہے جو ایک مدرسے کے پیکر کی تشکیل میں شریک ہیں جن میں سب سے پہلی چیز مدرسے کا بانی ہے۔

---

[1] توبہ۔ ۱۲۲

بانیٔ مدرسہ:

ہر انسان مدرسہ نہیں بنا سکتا، بلکہ مدرسہ وہ بنا سکتا ہے جو مدرسے کے اغراض و مقاصد، اس کے مقدمات و موخرات، اور لوازم وجودی سے اچھی طرح واقف ہو، چونکہ عمارت کی تعمیر سے مدرسہ وجود میں نہیں آتا، بانیٔ مدرسہ کے لیے ضروری ہے کہ یا وہ خود بہترین استاد ہو یا بہترین استاد کی تشخیص میں بقدر کافی مہارت رکھتا ہو اور استاد کے لیے لوازم معاش کو مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

اساتید اور ان کے ضروریات:

مدرس اور استاد کے لوازم زیست کو مہیا کرنے کے لیے ایک مدرسے کا علاقے کے مومنین سے جڑا ہوا ہونا ضروری ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ مومنین مدرسے کی ضرورت و اہمیت سے واقف ہوں اور ان کے اندر یہ احساس موجزن ہو کہ ان کے پورے دین کا دارومدار مدرسے پر ہے اور ان کی دنیا و آخرت کی سعادت، خوشبختی اور ترقی، مدارس کے ساتھ وابستہ ہے چونکہ مدارس تعلیم کا مرکز ہوا کرتے ہیں اور تعلیم کے بغیر گوشت پوست اور ہڈیوں کے ڈھانچے کو انسان اخروی بنانا ممکن نہیں ہے، خلوص نیت اور توکل۔

جو انسان مدرسے کی تشکیل و تتمیم و تکمیل کی ذمہ داری اٹھانے کا شوق رکھتا ہو اس کو اخلاص عمل اور توکل علی اللہ کی دولت سے مالا مال ہونا چاہیے، اخلاص و توکل کے بغیر کسی بھی کام کو نیک فرجام اور نیک نام بنانا ناممکن ہے۔

نصاب تعلیم:

مدارس کی ترقی کے لیے زمانے کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ایک جامع اور مکمل نصاب تعلیم بہت ضروری ہے اور اسی نصاب کے شایان شان اساتید کی فراہمی بھی انتہائی لازم ہے تاکہ خریجین مدارس دنیا میں اٹھنے والے ہر چیلینج کا مقابلہ کر سکیں اور انسانی معاشرے کو ایک بہترین تعلیم یافتہ انسانی اور دینی معاشرے میں تبدیل کر سکیں، اور اخلاص توکل، پیار محبت ایمان عمل اور یقین جیسی اقدار کو افراد معاشرہ کے اندر وجود میں لاکر عام انسانوں کے سماج کو اہلبیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تہذیب و ثقافت کے سانچے میں نصب کر سکیں تاکہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جو مطیع اہلبیتؑ بھی ہو اور اللہ کا عبادت گذار بھی ہو اور مکتب کربلا کو زندہ کر کے معاشرے کو اس سے مستفید کر سکے، زمانے کے تقاضوں کے ہمآہنگ مکمل جامع اور مثمر ثمر دینی نصاب کے بغیر مدرسہ ترقی نہیں کر سکتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سماج اور معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔

مدیریت:

مدرسے کے بانی، استاد اور نصاب کے علاوہ مدرسے کی ترقی اور پیشرفت کے لیے عنصر مدیریت کے احسن و اکمل ہونے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، بہترین مکان اور پر فضا مقام عمارت مدرسے کی تاسیس کے لیے ضروری ہے، جس میں طلاب علوم دینیہ شادمانی، انبساط مسرت اور دلجمعی کے ساتھ حصول تعلیم کے مراحل کو آسانی کے ساتھ گذار سکیں۔

مالیات:

مدارس کے لیے ایک ٹھوس اور مضبوط مالیاتی نظام کی ضرورت ہے، اسلام نے قرآن و احادیث میں اس کے لیے بہترین اور بے عیب مالیاتی نظام پیش کیا ہے، اس نظام کے ساتھ جڑنے والے کی دنیا بھی اچھی رہتی ہے اور آخرت میں بھی اس کو کئی گنا اجر ملتا ہے، پس اس نظام میں جو حقوق معین کیے گئے ہیں ان کی ادائیگی نہ تو کسی کے لیے بوجھ ہے اور نہ باعث ضرر ہے بلکہ وہ اس کے لیے شرف، فضیلت اور دینداری کی علامت ہے۔

مال کے استعمال میں عدالت:

اسلام کے اس مضبوط مالیاتی نظام کے استعمال میں اگر عدل سے کام لیا جائے اور صرف دین کے لیے خرچ کیا جائے تو ہر قریے اور بستی میں مدارس کھولے جاسکتے ہیں اور مدارس ہی کو ماضی کی طرح دینی اور دنیاوی تعلیم کا مرکز بنا کر اسلامی تربیتی نظام کے سائے میں قوم کے بچوں کی ہر ضروری میدان میں تعلیم و تربیت کی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے اور قوم کے بچوں کو زیور تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا سکتا ہے اور ایسے مدارس پوری دنیا کے لیے نمونہ عمل بن سکتے ہیں، چنانچہ جو ادارے چاہے وہ ملکی ہوں یا غیر ملکی ،مدارس کی تعمیر و ترقی کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں ان کو چاہیے کہ اس نظام کو عدل و انصاف کے ساتھ لاگو کریں اور اجتماعی انداز میں مکمل ہماہنگی کے ساتھ بغیر کسی کا سہارا لیے ہوئے رقوم شرعیہ کو حاصل کر کے مقام عظمائے ولایت فقیہ کی منظوری کے بعد مقامی اور ملکی مدارس میں تعلیم و تربیت کے نظام کو اس حد تک لے جائیں کہ اس کے بعد اگر کوئی طالب علم بیرون ملک جانا چاہتا ہے تو وہ واقعی معنوں میں اعلی تعلیم کے لیے جائے، مقدمات اور سطحیات کے لیے کسی طالب علم کو بڑے حوزوں کی طرف جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

کمیت:

جن شہروں میں متعدد مدارس ہیں ان کو ضم کیا جائے اور بدلے میں جن شہروں اور بستیوں میں مدارس نہیں ہیں ان میں مدارس کھولے جائیں، اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ مدارس کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے وہ بالکل غلط ہے شہروں کے شہر اور بستیوں کی بستیاں مدارس سے خالی ہیں تو دوسری طرف ایک ایک شہر میں کئی کئی مدرسے ہیں جو افراط و تفریط کی علامت ہے۔

تعلیمی جانچ:

مدارس کے امتحان کے نظام میں نمبروں کو معیار نہ بنایا جائے بلکہ بچوں کی تخلیقی صلاحیت بڑھانے پر زور دیا جائے، مدارس کو میرا تیرا میں تقسیم نہ کیا جائے بلکہ ہر مدرسے کو دینی مرکز قرار دیتے ہوئے اس کے لیے اسی مقام، اہمیت اور حیثیت کو تسلیم کیا جائے جو بظاہر انسان اپنے مدرسے کے لیے تسلیم کرتا ہے مرکزی کمیٹی یا ادارہ۔

سارے مدارس کو ایک مرکزی کمیٹی یا ادارے کی نگرانی میں رکھا جائے خاص طور سے مدارس کا مالی نظام ان کے اخراجات اور حقوق کی فراہمی اسی کمیٹی یا ادارے کے ہاتھ میں ہو اساتید اور مدیروں کے تبادلے کیے جائیں تاکہ مدیران اور اساتذہ کی پوری توجہ تعلیم و تربیت کے مسائل پر مرکوز رہے اور وہ ہر طرح سے فارغ البال ہوں۔

وحدت اور یکرنگی:

مدارس میں ہر لحاظ سے وحدت، یکسوئی ،اور یکرنگی کا کلچر وجود میں آنا چاہیے، آب و ہوا کے لحاظ سے غذا کی فراہمی کی جائے، تمام مدارس کی یونیفارم ایک رنگ کی ہونا چاہیے۔

عصری تعلیم:

مدارس میں طلاب کے لیے عصری تعلیم میں پیشرفت اور ڈگریوں کے حصول کو یقینی بنایا جائے اور اس سلسلے میں طلاب کی ہر ممکن اور جائز طریقے سے مدد کی جائے۔

کتابخانہ:

ہر مدرسے میں نصابی اور غیر نصابی کتابوں پر مشتمل ایک جامع کتابخانہ ہونا چاہیے اور طلاب کو مطالعے اور تحقیق کے لیے مناسب ماحول ملنا چاہیے۔

جدید ٹیکنالوجی؛ مدارس میں طلاب کو جدید ٹیکنالوجی سے آشنا کیا جائے تاکہ وہ حصول تعلیم میں ان کی مددگار ہو۔

ہنر آموزی:

مدارس میں طلاب کو اور خاص کر طالبات کو ہر ضروری ہنر سے آشنا کرانے کے وسائل فراہم کیے جائیں تاکہ مستقبل میں وہ اپنے لیے معاش کا معقول انتظام کر سکیں اور ہر چیز سے فارغ البال ہو کر تبلیغ دین کے فرائض انجام دے سکیں، پروردگار عالم سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

آمین ثم آمین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین،